ختم نبوت اور احمدی استدلال

نئے مطالعے کی روشنی میں

تحقیق و تصنیف :

ڈاکٹر عرفان شہزاد

المورد

ادارہ علم و تحقیق

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ختم نبوت اور احمدی استدلال

نئے مطالعے کی روشنی میں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ختم نبوت اور احمدی استدلال

نئے مطالعے کی روشنی میں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تحقیق و تصنیف
ڈاکٹر عرفان شہزاد

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

جملہ حقوق محفوظ ہیں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ناشر: المورد

طابع: فائن پرنٹرز، لاہور

طبع اول: جون 2021ء

قیمت:

ISBN: 978-969-681-035-3

Address: Post Box 5185, Lahore Pakistan.
Website: www.al-mawrid.org
Email : info@al-mawrid.org

فہرست

پیش لفظ ۹

موضوعی استدلالات ۱۹

خواب و مکاشفات ۱۹

پیشین گوئیاں ۲۱

تائیدِ غیبی کے دو رخ ۳۰

مباہلہ کا چیلنج دینے کا اختیار ۳۳

احمدیوں کی استقامت ۳۷

علمی استدلالات ۴۲

تسلسلِ نبوت پر ہمارا موقف ۴۲

کیا فرد کی ذاتی صداقت اس کے دعویٰ کی صداقت کے لیے حتمی حجت بن سکتی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہے؟ ۴۷

نبوت کی تصدیقی اسناد ۵۲

انبیا کی آمد کے بارے میں کی جانے والی پیشین گوئیوں کی خصوصیات ۵۸

مسیح کی آمد ثانی کی روایت ٦٦

سورۂ احزاب میں ختم نبوت کا اعلان ضمناً آنے کی وجہ ۷۳

احمدی حضرات کے استدلالات کا جائزہ ۷۵

آیت ختم نبوت کے بارے میں احمدی موقف ۷٦

نقد ۸۰

حرف استدراک 'لٰکِنْ' ۸۱

''خاتَم'' کا مفہوم ۹۰

''خاتم النبیین'' کا مطلب ۹۷

سورۂ جمعہ (٦۲) کی آیت ۲ اور ۳ ۱۰۲

'اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ' میں عجمی اقوام کی شمولیت کے موقف پر نقد ۱۰۷

تفسیری روایت پر تبصرہ ۱۱۰

سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۸۱ ۱۱۵

سورۂ حج (۲۲) کی آیت ۷۵ ۱۲۹

سورۂ نساء (۴) کی آیت ٦۹ سے استدلال ۱۳۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کیا جھوٹا نبی طبعی موت نہیں مر سکتا؟ ۱۳۵

خلاصۂ کلام ۱۴۳

چند عمومی تبصرے ۱۴۶

مرزا صاحب کا اسلوب کلام ۱۴۶

مرزا صاحب کی ''نبوت'' کی خدمات ۱۴۹

مرزا صاحب کے دعاوی کی پذیرائی کے اسباب ۱۵۱

مرزا صاحب کی شدید مخالفت کے اسباب ۱۵۳

اہل اسلام سے گزارش ۱۵۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

زیر نظر مقالہ احمدیت کے بنیادی استدلالات کے تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے۔ احمدیت کے بنیادی مستدل دو ہیں: تسلسل نبوت کا اثبات اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ نبوت کا اثبات۔

اس تنقیدی جائزے کی بنیاد اوّل تا آخر قرآن مجید پر رکھی گئی ہے، یہ اس لیے کہ دینی اختلافات میں فیصلہ کن اتھارٹی کا مقام فقط قرآن مجید ہی کو حاصل ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا
الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا

”لوگ ایک ہی امت تھے۔ پھر
(اُن میں اختلاف پیدا ہوا تو) اللہ
نے نبی بھیجے، بشارت دیتے اور
انذار کرتے ہوئے اور اُن کے ساتھ
قولِ فیصل کی صورت میں اپنی کتاب
نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان وہ
اُن کے اختلافات کا فیصلہ کر دے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ
فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(البقرہ ۲: ۲۱۳)

یہ جن کو دی گئی، اِس میں اختلاف بھی اُنھی لوگوں نے کیا، نہایت واضح دلائل کے اُن کے سامنے آجانے کے بعد، محض آپس کے ضدم ضدا کی وجہ سے۔ پھر یہ جو (قرآن کے) ماننے والے ہیں، اللہ نے اپنی توفیق سے اُس حق کے بارے میں اِن کی رہنمائی کی جس میں یہ اختلاف کر رہے تھے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق) سیدھی راہ کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔“

حق و باطل کے درمیان قرآن مجید کو میزان اور فرقان بنا کر نازل کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ.

(الشوریٰ ۴۲: ۱۷)

”اللہ ہی ہے جس نے اپنی یہ کتاب قول فیصل کے ساتھ اتاری ہے اور (اِس طرح حق و باطل کو الگ الگ کرنے کے لیے) اپنی میزان نازل کر دی ہے۔ (اِنھیں توفیق ہو تو اِس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے فائدہ اٹھالیں، ورنہ) تم کو کیا پتا کہ شاید قیامت قریب ہی آ لگی ہو!“

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا. (الفرقان ۲۵:۱)

”بہت بزرگ، بہت فیض رساں ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ فرقان اتارا ہے، اِس لیے کہ وہ اہل عالم کے لیے خبردار کرنے والا ہو۔“

قرآن مجید کی اس حیثیت کا تقاضا تھا کہ اسے غیر مبہم، قطعیت الدلالت، لسان مبین میں نازل کیا جائے۔ یہ بالکل غیر معقول ہوتا کہ جس کتاب نے دین کے بارے میں پیدا ہونے والے اختلافات میں درست راہ دکھانی ہے، خود اس کے بیان میں کوئی ایسی کجی، کمی یا ابہام رہ جائے، جس سے کسی غلط عقیدے اور نظریے کو کوئی حقیقی جڑ مل سکے یا کوئی ایسا جواز ہاتھ آ جائے جس کا قطعی رد علم و عقل کی بنیاد پر ممکن نہ ہو:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ.

”وہی ہے جو اپنے بندے پر یہ روشن آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور حقیقت یہ ہے

(الحدید ۵۷: ۹) کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور بے حد مہربان ہے۔“

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا. قَيِّمًا.

”شکر اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب اتاری اور اِس میں کوئی کج پیچ نہیں رکھا ہے۔ ہر لحاظ سے ٹھیک اور سیدھی۔“

(الکہف ۱۸: ۱-۲)

قرآن مجید میں زبان و دلائل کے وضوح کے اہتمام کے باوجود انسان کے قصور فہم، قلت تدبر، علم و استدلال کی کوتاہیوں اور تعصبات کے سبب فکری کجی کا پیدا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ اس کا حل پھر قرآن مجید ہی سے علم و عقل اور زبان و بیان کے مسلمات کی روشنی میں درست استدلال کی بنیاد پر اس کے درست مفاہیم کی طرف توجہ دلانا ہے۔ قرآن مجید کے درست مفاہیم تک رسائی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زبان و بیان اور اسالیب کلام سے اچھی آگاہی ہو اور آئینۂ نظر کو دیانت داری سے ذاتی اور نظریاتی تعصبات اور رجحانات سے مصفا کر لیا جائے تاکہ بات واضح ہو جانے کے بعد اسے قبول کرنے میں دشواری نہ ہو۔ انسان کی اصل آزمایش یہی ہے۔ روز قیامت اس سے یہی سوال ہو گا کہ اس نے تلاش حق کے لیے کتنی دیانت داری سے جستجو کی اور حق بات سامنے آنے پر کیسا رویہ اختیار کیا؟ یہ انسان کے اپنے اخروی اور ابدی مفاد کا مسئلہ ہے کہ وہ اس سوال کی جواب دہی کے لیے تیاری کرے اور خود کو کسی وابستگی پر قربان نہ ہونے دے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہمارے ہاں مباحثے کی ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ مسئلے کے بنیادی استدلال کو طے کیے بغیر ہی تفصیلات، جزئیات اور اس سے آگے بڑھ کر ذاتیات پر بحث شروع کر دی جاتی ہے، جس سے مباحثہ نتیجہ خیز ہونے کے بجاے خلط مبحث کا شکار ہو کر بھول بھلیوں میں بھٹک جاتا ہے اور منصف مزاج قاری کے لیے فیصلہ کن نہیں ہو پاتا۔

اس کتاب میں احمدیت کے فقط بنیادی استدلالات کو زیر بحث لایا گیا، تفصیلات اور ذاتیات اس کتاب کے مقرر کردہ احاطۂ علمی سے خارج ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

رد قادیانیت کے وسیع و وقیع لٹریچر کے ہوتے ہوئے، اس کتاب کی تصنیف کا جواز چند محرکات بنے:

- ضرورت محسوس ہوئی کہ بالکل اصولی انداز میں احمدیت کے بنیادی استدلالات کا جائزہ زبان و بیان کے مسلمات، جن سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، کی اساس پر قرآن مجید کی آیات بینات کی روشنی میں لیا جائے تاکہ نتائج پوری طرح منقح اور متعین ہو کر فیصلہ کن جگہ پر آجائیں۔
- یہ احساس ہوا کہ نبوت اور ختم نبوت سے متعلق احمدیت اور غیر احمدی بیانیے کے درمیان کچھ ایسی مشترک بنیادیں ہیں جن کو تسلیم کر لینے کے بعد بعض پہلوؤں سے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ نبوت کی کلی یا قطعی نفی نہیں ہو پاتی یا مخالف پر حجت تمام ہونے سے رہ جاتی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ان مقامات کو بھی قرآن مجید کی آیات بینات کی روشنی میں قطعیت سے طے کیا جانا ضروری ہے۔

ہمارے استدلالات کی بنیادیں اور خصوصیات درج ذیل ہیں:

- استدلال کے لیے زبان و بیان کے مسلمہ علمی و عقلی اصولوں، جن سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، کو مد نظر رکھا گیا ہے۔
- تسلسل نبوت کے تصور اور اس کی بنا پر مرزا صاحب کے نبی ہونے کا معاملہ اگر کوئی حقیقت رکھتا ہے تو یہ اس قدر اہم بات ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید سے اس کا اثبات واضح الفاظ میں موجود ہونا چاہیے۔ قرآن مجید سے اگر فقط نبوت کا تسلسل ہی ثابت ہو تو بھی آیندہ انبیا کے لیے گنجایش نکل سکتی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے یہ نہایت اہم ہے کہ ان عقائد و نظریات کو قرآن مجید کی روشنی ہی میں طے کیا جائے۔
- عقائد کے معاملے میں قرآن مجید ہر لحاظ سے حرف آخر ہے۔ عقائد مابعد الطبیعیاتی حقائق کا بیان ہیں۔ یہ معلومات ظاہر کرنے کا علم اور اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔ چنانچہ اس بحث میں حدیث و روایات کو بنیادی طور پر محل استدلال نہیں بنایا جا سکتا کہ اس قدر اہم معاملے کا انحصار روایت بالمعنیٰ، جو قوی و ضعیف راویوں کے شعوری اور لاشعوری تصرفات سے مبرا نہیں، پر نہیں کیا جا سکتا۔ اصولی طور پر کسی قطعی نوعیت کے معاملے کا اثبات اور نفی کسی ظنی نوعیت کے ماخذ سے کرنا درست

نہیں۔ اس بنا پر روایات و اخبارات سے احمدیت کے استدلالات ہمارے لیے درخور اعتنا نہیں۔ تاہم، روایات کی اپنی اہمیت کی بنا پر ہم نے ضمناً اُن کو شامل بحث کیا ہے اور تائیداً اُنھیں پیش کیا ہے۔

- اشاری اور باطنی تفسیری نکات اور متصوفانہ اقوال بھی ہمارے مقرر کردہ علمی دائرہ سے باہر ہیں۔ یہ موضوعی نوعیت کی چیزیں ہیں جن کو علم و استدلال کے میدان میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔
- دور از کار نکتہ آفرینیاں، جو مرزا صاحب اور ان کے متبعین کے استدلالات میں بہ کثرت پائی جاتی ہیں، شامل بحث نہیں کی گئیں۔ اس ذہانت آمیزی کی داد تو دی جا سکتی ہے، مگر علم و استدلال کی دنیا میں اس سے ثابت کچھ نہیں ہوتا اور نہ کوئی حجت قائم ہوتی ہے۔
- منطقیانہ نوعیت کے دلائل بھی زیر بحث نہیں لائے گئے۔ یہ جیسے اثبات کے لیے دیے جا سکتے ہیں، نفی کے لیے بھی دیے جا سکتے ہیں، منطقیانہ دلائل میں مخاطب کے مانے ہوئے کسی مقدمے سے یہ جانچے بغیر استدلال کیا جاتا ہے کہ خود مقدمہ درست ہے بھی یا نہیں۔ یہ طریقہ مناظرانہ اسلوب میں کوئی وقتی فتح دلا دے تو الگ بات ہے، اس سے کوئی حتمی اور فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔
- علم کی دنیا میں کسی بیانیے کی پیش کش کے لحاظ سے پہلے دعویٰ، پھر اس کی دلیل اور اس کے بعد اس کا استدلال پیش کیا جاتا ہے، لیکن کسی بیانیے کے

تجزیے اور تحلیل کے لیے اس ترتیب کے بالعکس، پہلے استدلال کو جانچا جاتا ہے، اس کے بعد دعویٰ خود بخود ثابت یا رد ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر ہماری ساری بحث کا محور احمدیت کا استدلال ہے اور یہ ہم اس کتاب میں قرآن مجید کی آیات بینات کی اساس پر کریں گے کہ در حقیقت فیصلہ کن جگہ یہی ہے۔

احمدیت کے نقطۂ نظر کے بیان میں ان کی نمایندہ تفسیر، ''تفسیر صغیر'' سے آیات قرآنی کا ترجمہ لیا گیا ہے، جب کہ ہمارے مدعا کے بیان میں پیش کردہ آیات قرآنی کا ترجمہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے ترجمۂ قرآن ''القرآن الکریم'' سے لیا گیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

- پہلا باب احمدیت کے موضوعی استدلالات پر مشتمل ہے۔ اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس قسم کے استدلالات علمی استدلال بننے کی اہلیت نہیں رکھتے، اس لیے استدلال کی بحث میں ان کو لانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔
- باب دوم میں تسلسل نبوت، اثبات نبوت اور ختم نبوت پر ہم نے اپنے مواقف دلائل کے ساتھ پیش کیے ہیں۔
- باب سوم میں احمدیت کے استدلالات کا جائزہ علم و عقل اور زبان و بیان کے مسلمات کی اساس پر قرآن مجید کی روشنی میں لیا گیا ہے۔
- باب چہارم عمومی نوعیت کے چند مختصر، مگر اہم تبصروں پر مشتمل ہے۔

کتاب میں مذکور استدلالات کی استواری اور تنقیح میں استاد محترم جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی نے بنیادی کردار ادا کیا۔ جناب افتخار تبسم اور ڈاکٹر شہزاد سلیم نے اس کاوش کو توقع سے بڑھ کر سراہا اور مصنف کی حوصلہ افزائی کی۔ جناب افتخار تبسم کے توسط سے بعض اہم علمی ماخذوں سے آگاہی حاصل ہوئی، جس سے کتاب کی وقعت میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ میں ان سب اساتذہ کا شکر گزار ہوں۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی کتاب کا درست فہم نصیب کرے اور وہی عقائد اختیار کرنے کی توفیق دے جو اس نے اپنی کتاب میں بیان کر دیے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

باب اول

موضوعی استدلالات

یہ وہ استدلالات ہیں جن کو عام طور پر احمدیت کے دفاع اور رد، دونوں میں پیش کیا جاتا ہے، لیکن یہ علمی نوعیت کی چیزیں نہیں۔ انھیں ہم موضوعی استدلالات کہہ سکتے ہیں۔ یہ ہمارے مقالے کے لیے طے کردہ احاطۂ علمی کے دائرے میں نہیں آتے۔ تاہم ان پر تبصرہ کرکے یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ علمی استدلال بننے کی صلاحیت کیوں نہیں رکھتے۔

خواب و مکاشفات

خواب اور مکاشفات کوئی علمی استدلال کی چیز نہیں ہوتے، مگر احمدی حضرات کے ہاں ان کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ سابق احمدی فاضل، جناب ملک محمد جعفر خان صاحب اپنی کتاب ''احمدیہ تحریک'' میں لکھتے ہیں:

''میرے لیے یہ لوگ باوجود اپنی علمی اور عقلی بزرگی کے کوئی سند نہیں ہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ انھوں نے زندگی کو دو الگ شعبوں میں تقسیم کر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رکھا ہے۔ مثلاً، اگر یہ جج ہیں تو گواہ کی صداقت اور جھوٹ میں تمیز کرنے کے لیے انھوں نے عقلی بنیادوں پر اصول قائم کیے ہوئے ہیں، جن سے وہ استفادہ کرتے ہیں، لیکن جب مرزا قادیانی کا معاملہ درپیش ہو تو ان سب اصولوں کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور خواب، رُویا، استخارہ اور وجدان پر انحصار کرتے ہیں اور یہ ذرائع کسی قاعدے یا قانون کے پابند نہیں ہیں... حیرت ہے کہ باطل تو اپنے ثبوت کے لیے حواس کی بیداری پر انحصار کرے اور حق خواب کا محتاج ہو۔"[1]

احمدیت سے متاثر سنجیدہ افراد سے مکالمہ اور مباحثہ کے بعد مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کے ہاں احمدیت کی طرف مائل ہونے اور قائم رہنے کی بڑی اور موثر وجہ تائیدی خواب، مکاشفات اور غیبی اخبار بتائے جاتے ہیں، جو ان کے بقول، ان پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

احمدیت، دراصل ایک صوفیانہ یا انفعالی مزاج کا حامل مذہب ہے۔ صوفی حلقوں کی طرح یہاں بھی خواب و مکاشفات ہی عملی طور پر فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں، جب کہ دلائل زیادہ تر مخالفین کے لیے تلاشے اور تراشے جاتے ہیں۔

جہاں تک خوابوں اور الہامات کا معاملہ ہے، تو یہ داخلی، ذاتی، نفسیاتی اور مذہبی حوالے سے مابعد الطبیعیاتی نوعیت کا معاملہ ہے، اس لیے یہ کبھی دوسرے کے لیے حجت نہیں بن سکتے۔ ہمارے نزدیک خواب نفسیاتی اور نفسانی کیفیات ہیں۔

۱۔ احتساب قادیانیت، "احمدیہ تحریک"، عالمی مجلس تحفظ نبوت، ملتان، ۲۲۶/۳۲۔

مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''حقیقۃ الوحی'' میں محض خوابوں سے استدلال اور ان پر بھروسا کر لینے کو از خود بھی غلط قرار دیا ہے۔

عام مشاہدہ ہے کہ ہر مسلک اور فرقے کے لوگوں کو عالم رویا میں اپنے ہی مسلک اور فرقے کے اکابرین سے ملاقات و تائید و نصرت ملتی ہے۔ عالم بالا میں بھی کیا مسلکی تعصب کار فرما ہے یا پھر یہ سالکِ سلوک کے اپنے تحت الشعور کی کارستانیاں ہیں؟ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> ''مصر کی فلاطونیت جدیدہ (Neo-Platonism) کے روحانی مشاہدات اور ربانی مکالمات ملاحظہ ہوں! کیا ان کے مکاشفات اور مکالمات نے اس وقت کے صنمیات اور فلسفیانہ مفروضات کی تصدیق نہیں کی؟''[۲]

www.al-mawrid.org www.javedahmedghamidi.com

پیشین گوئیاں

مرزا صاحب کی نبوت کے اثبات میں ایک دوسرا استدلال مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں سے کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں کا معاملہ معروضی ہونے کے باوجود در حقیقت موضوعی نوعیت کا ہے، یعنی ان کا وقوع ایسی قطعیت سے خالی ہے جو مخالف پر کوئی حجت قائم کر سکے۔ مخالفین کے نزدیک یہ بعینہٖ واقع نہیں ہوئیں اور کچھ سرے سے واقع ہی نہیں ہوئیں۔ چنانچہ ان سے مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا ابطال کیا جاتا ہے، جب کہ مرزا صاحب اور ان کے معتقدین ان

۲۔ قادیانیت مطالعہ و جائزہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۶۲۔

پیشین گوئیوں سے متعلق اپنی تاویلات سے مطمئن ہیں[3]۔اس وجہ سے پیشین گوئیوں

۳۔ مثلاً مرزا صاحب کے مناظرانہ دور میں مرزا صاحب کے دعاوی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے طور پر یہ طے کر رکھا تھا کہ ان کے مخالفین کا ان سے پہلے مر جانا، خصوصاً وبائی مرض سے مر جانا مرزا صاحب کے برحق ہونے کا ثبوت ہو گا۔ دین میں اس اذعان کی کوئی بنیاد نہیں کہ نبی یا غیر نبی کے مخالف کا نبی کی زندگی میں مر جانا ضروری ہوتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دعویٰ نبوت کیا تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اپنے انجام کو پہنچا۔ تاہم، مرزا صاحب کا اپنے دعویٰ نبوت کی صداقت کا یہ معیار بھی پورا ہو کر نہ دیا۔ان کے جتنے مخالفین ان کی زندگی میں فوت ہوئے،ان کی وفات تو مرزا صاحب کے دعاوی کی صداقت کا ثبوت قرار دیا گیا، لیکن ان کے سب سے بڑے مخالف مولانا ثناءاللہ امرتسری جنھیں مرزا صاحب نے چیلنج دیا تھا کہ وہ مرزا صاحب سے پہلے فوت ہو جائیں گے، مرزا صاحب کی وفات کے بعد بھی ایک عرصہ جیتے رہے۔ تاہم، مرزا صاحب کے متبعین نے ان کے اس چیلنج کی تاویل یہ کر لی کہ یہ دراصل مباہلہ کی دعوت تھی، جسے مولانا نے قبول نہیں کیا تھا، اس لیے یہ پیشین گوئی مرزا صاحب کے بیان کے مطابق واقع نہ ہوئی۔ لیکن مرزا صاحب کا یہ چیلنج ان کے اپنے لفظوں میں صاف طور پر بتاتا ہے کہ یہ دعویٰ اور پیشین گوئی تھی، مباہلہ کی دعوت نہیں تھی۔ مرزا صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ”اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت و حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔

''اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے یعنی طاعون و غیرہ مہلک بیماریوں سے ہے یعنی طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔'' مرزا صاحب ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء میں ہیضہ کا شکار ہو کر فوت ہوئے اور مولانا امر تسری نے ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں وفات پائی۔

(تبلیغ رسالت ۱۰/۱۲۰، بہ حوالہ قادیانیت مطالعہ و جائزہ، ابوالحسن ندوی، ۲۳-۲۴)

اسی طرح پادری عبداللہ آتھم کی زندگی ہی میں اس کی تاریخ وفات تک مرزا صاحب نے مقرر کر دی تھی، مگر وہ، باوجود مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کی دعاؤں اور وظیفوں کے، مقررہ تاریخ کو فوت نہ ہوا۔ اس ناکامی پر مخالفین نے جشن منائے اور مرزا صاحب کی بہت جگ ہنسائی بھی ہوئی۔ تاہم مقررہ تاریخ گزر جانے کے بعد مرزا صاحب نے متعدد تاویلیں کیں کہ انھیں الہام ہوا کہ اس نے توبہ کر لی تھی، وہ ڈر گیا تھا وغیرہ، اس لیے اس کی موت ٹل گئی۔ اگر ایسا ہی تھا تو مرزا صاحب کو اس کی خبر مقررہ تاریخ کے گزر جانے اور ان کی بات کے جھوٹا پڑ جانے کے بعد ہی کیوں ملی؟ یہ سب تاویلیں مقررہ تاریخ گزرنے کے بعد کی گئیں، اس لیے انھیں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بعد میں جب پادری صاحب کا انتقال مرزا صاحب کی زندگی ہی میں ہو گیا تو یہ پھر مرزا صاحب کی پیشین گوئی کا پورا ہونا قرار پایا۔

یہی معاملہ محمدی بیگم کے ساتھ نکاح کی پیشین گوئی کا ہوا۔ مرزا صاحب نے اگرچہ قطعی الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ:

''اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آجانا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے الہام میں یہ کلمہ موجود ہے کہ 'لا تبدیل لکمات اللہ' (اللہ کی بات بدل نہیں سکتی) یعنی میری یہ بات ہر گز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل

ہوتا ہے۔" (اعلان ۶/ ستمبر ۱۸۹۶ء، مندرجہ تبلیغ رسالت ۱۱۵/۳، بہ حوالہ حرف محرمانہ، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۷۴)

مگر خاتون کا نکاح مرزا سلطان محمد سے کر دیا گیا۔ اس کے باوجود مرزا صاحب نے دعویٰ کیا کہ لڑکی ان کے نکاح میں لکھ دی گئی ہے۔ یہ بھی کہا کہ لڑکی کا نکاح اس کے لیے تنگی و تفرقہ لائے گا، ہونے والا شوہر اڑھائی سال اور لڑکی کا والد احمد بیگ تین سال کے عرصہ میں فوت ہو جائے گا۔ مرزا صاحب نے اس نکاح کے لیے ہر طرح کے جتن کیے۔ رشتہ داروں کو واسطے دیے کہ یہ نکاح نہ ہوا تو ان کے مخالفین کو ان کی تکذیب کا بہانہ مل جائے گا، لڑکی کے گھر والوں پر دیگر رشتہ داروں سے دباؤ ڈلوایا، یہاں تک کہ مرزا احمد بیگ کی بہن کی بیٹی جو مرزا صاحب کے بیٹے، مرزا فضل احمد کی بیوی تھی، کو بیٹے سے طلاق دلوانے کی دھمکی بھی دی، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ فضل احمد نے ان کی بات نہ مانی تو اسے عاق کر دیں گے۔ پھر اپنی دھمکی پر عمل کرتے ہوئے یہ طلاق دلوا بھی دی۔ یہی نہیں، اپنے دوسرے بیٹے مرزا سلطان احمد کو اس نکاح کی مخالفت کرنے پر عاق کر دیا اور ان کی والدہ اور اپنی پہلی بیوی کو بھی اس نکاح کی مخالفت کرنے پر طلاق دے دی۔ ایک خط میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی (محمدی بیگم) کا نکاح (کسی اور سے) ہونے والا ہے اور اگر آپ کے گھر کے لوگ (بیوی) اس مشورے میں ساتھ ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسانا، ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں... اگر آپ اپنے ارادے سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی (احمد بیگ) کو اس نکاح سے روک نہ دیں تو پھر ایک طرف محمدی بیگم کا کسی شخص سے نکاح ہو گا تو دوسری طرف فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کر دوں گا۔" (مکتوب مرزا قادیانی، بہ تاریخ ۲۵/ مئی ۱۸۹۱ء، نوشتہ غیب ۱۲۴-۱۲۵، بہ حوالہ حرف محرمانہ، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، احتساب، عالمی مجلس ختم نبوت، ملتان، ۱۲۴/۳۲)

کے معاملے کی یہ نوعیت اسے ہمارے مقالے کے مقررہ احاطۂ علمی سے باہر کر دیتی ہے۔

مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو نوعیت کی تھیں: ایک وہ جن میں ان پیشین گوئیوں کے ظہور پذیر ہونے کی مدت

مرزا صاحب کو اپنی زندگی کی آخری عمر تک اس نکاح کے ہونے کا یقین رہا اور وہ اس بارے میں پیشین گوئی کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھے، یہاں تک کہ دم واپسیں نے انھیں اور اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے منتظر ان کے متبعین کو مایوس کیا۔

پیشین گوئی کے مطابق مرزا احمد بیگ بیٹی کے نکاح کے بعد جلد فوت ہو گئے، جو مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ٹھیرا، مگر لڑکی کا شوہر مرزا سلطان بیگ، جسے اڑھائی سال میں مر جانا چاہیے تھا، پہلی جنگ عظیم میں زخمی ہو جانے کے باوجود تقریباً چالیس سال تک زندہ رہا۔ وہ خاتون بھی بہ عافیت اپنے گھر میں بستی رہیں (تفصیل کے لیے دیکھیے حرم محرمانہ، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ۱۶۹-۱۷۷، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور)

اس پیشین گوئی کے پورا نہ ہونے کی یہ تاویل کی گئی کہ خاتون کا شوہر مرزا سلطان محمد مرزا غلام احمد صاحب کا معتقد ہو گیا تھا، اس لیے موت کی آفت اس سے ٹل گئی اور چونکہ خاتون اس وجہ سے بیوہ نہ ہوئیں، اس لیے مرزا صاحب کے نکاح میں بھی نہیں آ سکتی تھیں، مگر مرزا صاحب کو یہ بات اپنے آخر وقت تک قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکی کہ خاتون ان کے نکاح میں اب نہیں آئیں گی اور نہ انھوں نے اپنے متبعین کو آگاہ کیا۔ اصل سوال یہ ہے کہ جو پیشین گوئی حجت نہ بن سکے، وہ کی ہی کیوں گئی؟

۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، قادیانیت مطالعہ و جائزہ، ابوالحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۳۵ و ملحقہ صفحات۔

کے لیے اتنا وقت رکھا جاتا تھا کہ ان کا وقوع اتفاق قرار دیا جا سکتا تھا، جیسے فلاں صاحب، مرزا صاحب سے پہلے وفات پا جائیں گے یا یہ کہ مرزا صاحب کی دعوت نبوت کے انکار پر لوگوں پر وبائیں نازل ہوں گی، جب کہ یہ معلوم ہے کہ طب و صحت کے لحاظ سے وہ دور پسماندہ تھا اور وباؤں کے وقتاً فوقتاً پھوٹ پڑنے کا امکان رہتا تھا۔ دوسرے وہ پیشین گوئیاں جو ایک لحاظ سے قطعیت کا اسلوب رکھنے کے باجود ابہام کی حامل ہوتی تھیں۔ ان میں "اگر" اور "مگر" جیسی کوئی شرط یا استثنا لگا کر دونوں راستے کھلے رکھے جاتے کہ اگر یہ بعینہٖ پوری ہو گئیں تو نشان حق قرار پائیں گی اور نہ پوری ہوئیں تو کہا جا سکتا ہے کہ "اگر" کی کسی شرط یا "مگر" کے کسی استثنا کے شامل ہو جانے کی وجہ سے اُس طرح پوری نہ ہوئیں، جس طرح کہی گئی تھیں۔ جیسے پادری عبداللہ آتھم کی موت کی مقررہ تاریخ اور محمدی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کے نکاح کی پیشین گوئیوں کے معاملے میں پیش آیا کہ پیشین گوئی کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع نہ کر لیں اور توبہ نہ کر لیں تو ایسا ایسا ہو گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس توبہ اور رجوع کا علم فقط مرزا صاحب کو بذریعۂ الہام ہوا اور یہ علم بھی انھیں پیشین گوئیوں کا وقت گزر جانے کے بعد ہوا، جب ان پیشین گوئیوں کی بھد اڑائی گئی۔ یہی معاملہ طاعون کی وبا کی پیشین گوئی میں برتا گیا کہ قادیان اس سے متاثر نہیں ہو گا، مگر کم اور یہ کہ ان کے متعلقین اس سے متاثر نہ ہوں گے، مگر شاذ و نادر[۴]۔

۴۔ مرزا غلام احمد قادیانی، کشتی نوح، نظارت نشر و اشاعت قادیان، اشاعت ۱۹۹۸ء، انڈیا، ۵۔

نبوت کی روایت کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ اثبات نبوت کی پیشین گوئیوں کا مقصود ہی قطع عذر ہوتا ہے۔ ان میں بھی اگر تاویل کی گنجایش پیدا کر دی جائے تو ان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں میں اس قسم کے ابہامات حق و باطل کے تنازع میں فیصلہ کن بات تک نہیں پہنچا سکتے۔ ان کے اس بیان کے باوجود کہ "بد خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئیوں سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔"[۵]، ان کی پیشین گوئیاں ایسا معیار فراہم نہیں کرتیں کہ ان کی صداقت کو مرزا صاحب کی نبوت کی تصدیق میں بطور شہادت استدلال کے میدان میں پیش کیا جا سکے۔ دیکھا جائے تو پیشین گوئیوں کی یہ غیر قطعیت ہی دعویٰ نبوت کی نفی کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ دعویٰ نبوت کی شہادت میں پیش کردہ پیشین گوئیاں غیر قطعی نہیں ہو سکتیں جو حجت قائم نہ کر سکیں۔

www.javedahmadghamidi.com

ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کے لیے کچھ ایسی نفسانی طاقتوں کا حصول ممکن ہے جن کی مدد سے کچھ عجیب و غریب کام لیے جا سکتے ہیں اور کسی حد تک درست پیشین گوئیاں کرنا بھی ممکن ہو جاتا ہے، لیکن یہ نفسانی طاقتیں ہر مذہب و ملت کے نفسانی علوم کے ماہرین، بلکہ بعض اوقات عام افراد میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ در اصل نفسانی طاقتوں کے ذریعے سے بعض دنیوی امور میں تصرفات کرنے کی صلاحیت ہے، جیسے ٹیلی پیتھی۔ حق و باطل کے فرق و امتیاز سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۵۔ مرزا قادیانی، تبلیغ رسالت ۱/۱۱۸۔ مجموعہ اشتہارات ۱/۱۵۹۔

پیرا سائیکالوجی کے نیم سائنسی مضمون کے تحت یہ نفسانی علوم اور مظاہر اب مستقل مطالعہ کا موضوع ہیں۔ امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں ان کے قوانین انسانی ادراک میں آ جائیں گے۔ اتنا بہر حال تقریباً ہر ایک کے مشاہدے میں آتا ہے کہ انسان کی چھٹی حس اسے بعض اوقات قبل از وقت کسی معاملے کے بارے میں آگاہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح بعض ایسے خواب بھی لوگوں کو آ جاتے ہیں جو سچ ثابت ہو جاتے ہیں۔ ایسی صلاحیت کسی شخص میں غیر معمولی حد تک موجود ہو سکتی ہے، مختلف نفسانی مشقوں سے اسے بڑھایا بھی جا سکتا ہے، اس کے باوجود ان ذرائع سے حاصل ہونے والی ہر بات درست نہیں ہوتی، اس لیے مرزا صاحب کی کچھ پیشین گوئیاں اگر درست ثابت ہوئی بھی ہیں تو انھیں اسی زمرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

ایسے خوابوں، کشف اور الہامات کی وجہ سے انسان میں خود فریبی پیدا ہو جاتی ہے۔ خود فریبی کا تاثر اگر بہت گہرا ہو تو اس سے فرد میں اپنے بارے میں غیر حقیقی اذعان پیدا ہو جاتا ہے کہ عالم بالا سے اس کا کوئی رابطہ ہے۔ نرم اور انفعالی طبیعت رکھنے والے یا ضعیف الاعتقاد لوگ ایسے مدعی کے لب و لہجے کے تیقن یا اس کی طرف سے مستقبل کے کچھ درست اندازوں کو دیکھ کر اس کے تمام دعاوی کو سچا مان لیتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے سماج میں صدیوں کی معاشی اور سیاسی بے یقینی، عدم تحفظ اور مستقبل کے بارے میں عدم اطمینان کے شکار عوام میں یہ غیر تنقیدی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تسلیم و رضا کا مزاج کچھ زیادہ پایا جاتا ہے۔ ایسے دعاوی سے وہ اپنی بے مقصد اور روکھی پھیکی زندگی میں مقصدیت، ولولہ اور امید پاتے ہیں۔ اس پر علامہ اقبال کی نظم، ''پنجابی مسلمان'' کا تبصرہ بالکل برمحل ہے۔ یہ تبصرہ صرف پنجابی مسلمانوں تک محدود نہیں ہے:

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

انبیا علیہم السلام کو ملنے والی وحی اور خواب اور غیر انبیا کے الہام، خواب اور مکاشفات میں کوئی مماثلت نہیں۔ انبیا کی وحی اور خواب کا قطعی اور متعین طور پر خدا کی طرف سے ہونا نبی کے لیے مصدقہ ہوتا ہے۔ الفاظ، معنی اور مصداق کے لحاظ سے یہ غیر مبہم ہوتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ایک نبی کو اپنے خواب کے مصداق اور وقوع خبر کی تعیین میں کوئی ابہام لاحق ہو جائے، مگر متعین ہو جانے کے بعد پیشین گوئی کا مصداق بہرحال تبدیل نہیں ہوتا۔ مثلاً ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ طواف کعبہ فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

صحابہ کو ہم راہ لیا اور عمرہ کی نیت سے مکہ وارد ہوئے، مگر عمرہ ادا نہ ہو سکا اور صلح حدیبیہ کر کے آپؐ بغیر عمرہ کیے واپس تشریف لے آئے۔ اس پر صحابہ نے آپؐ سے عرض کیا کہ یہ کیسے ہو گیا، آپؐ نے تو خواب دیکھا اور نبی کا خواب جھوٹا نہیں ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ سب مسلمان عمرہ کریں گے، مگر یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اِسی سال کریں گے۔ چنانچہ اگلے سال عمرہ ہی ادا کیا گیا۔ چونکہ خواب میں تاریخ کی تعیین نہیں کی گئی تھی، اس لیے اس کی تعیین میں اختلاف ہوا، لیکن عمرے کا مصداق منسوخ نہیں ہوا۔ مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں کی یہ شان نہیں ہے۔ وہ یا تو سرے ہی سے غیر قطعی ہیں یا اپنے اندر اتفاق کا عنصر رکھنے کی وجہ سے حجت قائم نہیں کرتیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تائید غیبی کے دو رخ

تائید غیبی کا معاملہ نازک ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر شخص کے لیے وہی راہیں آسان کر دی جاتی ہیں جن پر چلنا وہ اپنی تمنا اور جدوجہد کا مقصد بنا لیتا ہے۔ خدا کی راہ میں اہل ایمان کی مثبت تگ و دو کو پذیرائی ملنا اور ان کے لیے خدا کی راہیں آسان ہونا درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ.

''(تم میرے بندوں کو بشارت دو، اے پیغمبر کہ) جو لوگ ہماری

(العنکبوت ۲۹:۶۹)

راہ میں مشقتیں جھیل رہے ہیں، اُن پر ہم اپنی راہیں ضرور کھولیں گے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے جو خوبی سے عمل کرنے والے ہیں۔"

جب کہ منفیت کی راہوں پہ چلتے رہنے پر اصرار کرنے والوں کو بالآخر شیاطین کے حوالے کر دیا جاتا ہے جن سے انھیں تائید اور مدد ملتی ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ. وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ.

(الانعام ۶:۱۲۸-۱۲۹)

"اُس دن کو یاد رکھو، جب وہ اِن سب (مجرموں) کو اکٹھا کرے گا، (پھر فرمائے گا): اے جنوں کے گروہ، تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو اپنا لیا اور انسانوں میں سے اُن کے ساتھی (فوراً) کہیں گے: پروردگار، ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خوب حظ اٹھایا اور (آج) اپنی اُس مدت کو پہنچ گئے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دی تھی۔ اللہ فرمائے گا: اب آگ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

تمھارا ٹھکانا ہے، تم اُس میں ہمیشہ رہو گے، مگر جو اللہ چاہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پروردگار حکیم و علیم ہے۔ ہم ظالموں کو اُن کے کرتوتوں کے باعث اِسی طرح ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔''

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا.

(النساء۴:۱۱۵)

''اور جو راہ ہدایت کے اپنے اوپر پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کریں گے اور اُن لوگوں کے راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کریں گے جو تم پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں، اُنھیں ہم اُسی راستے پر ڈال دیں گے جس پر وہ خود گئے ہیں اور بالآخر دوزخ میں جھونکیں گے۔ وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اپنے آپ کو خوابوں اور الہامات کے سپرد کرنے اور اس قسم کے ماحول میں رہنے بسنے والوں کا لاشعور اوہام اور شیاطین کی کارستانیوں کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔

ایسے انفعالی مزاج افراد کو اپنے ایجنٹ کے طور پر استعمال کرنا شیطانی قوتوں کے لیے ممکن ہو جاتا ہے۔[۶]

مباہلہ کا چیلنج دینے کا اختیار

مباہلہ کا مطلب ہے: ایک دوسرے کے لیے لعنت کی بددعا کرنا۔ قرآن مجید میں مباہلہ کا ذکر سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۶۱ میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب مسیحی اگر آپ کی طرف سے اتمام حجت ہو جانے کے بعد بھی اپنے عقیدے پر مصر ہیں تو اب احقاق حق کے لیے انھیں مباہلہ کی دعوت دیں کہ جو فریق باطل پر ہے، اس پر خدا کی لعنت ہو۔ انبیا سے چلی آتی

۶۔ 'وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ . وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ'، ''اُس دن کو یاد رکھو، جب وہ اِن سب (مجرموں) کو اکٹھا کرے گا، (پھر فرمائے گا): اے جنوں کے گروہ، تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو اپنا لیا اور انسانوں میں سے اُن کے ساتھی (فوراً) کہیں گے: پروردگار، ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خوب حظ اٹھایا اور (آج) اپنی اُس مدت کو پہنچ گئے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دی تھی۔ اللہ فرمائے گا: اب آگ تمھارا ٹھکانا ہے، تم اُس میں ہمیشہ رہو گے، مگر جو اللہ چاہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پروردگار حکیم و علیم ہے۔ ہم ظالموں کو اُن کے کرتوتوں کے باعث اِسی طرح ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔''

(الانعام ۶: ۱۲۸-۱۲۹)

روایت کے مطابق خدا کی اس لعنت کا ظہور فوراً ہو جاتا تھا۔ بائیبل کی رو سے مسیحی بھی یہ جانتے تھے کہ خدا کا سچا نبی اتمام حجت کے بعد یوں چیلنج دے کر لعنت کر دے تو مخاطبین کی بربادی فوراً ظہور پذیر ہو جاتی ہے، جس سے حق و باطل کا فیصلہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کی بہتان تراشی کے بعد اس کے لیے بددعا کی تو وہ اپنے حمایتیوں سمیت زمین میں دفن ہو گیا تھا۔ انبیا کے ایسے اور بھی واقعات بائیبل میں مذکور ہیں۔ اس بنا پر روایت کے مطابق نجران کا مسیحی وفد، جو آپ سے مکالمہ کرنے آیا تھا، نے مباہلہ کا یہ چیلنج قبول نہیں کیا تھا۔

مباہلہ کا چیلنج مخاطبین کو آخری درجے میں حق واضح کر دینے کے بعد دیا جاتا ہے، جب مخاطبین کے پاس انکار حق کا کوئی عذر نہ رہے اور ان کے انکار کا محض ضد اور سرکشی پر ہونا خدا کے علم میں متحقق ہو چکا ہو۔ اس بنا پر مباہلہ کی دعوت یا چیلنج ایک رسول بھی اپنے طور پر نہیں دیتا۔ ایسا وہ صرف خدا کے حکم ہی سے کرتا ہے۔ یہ جاننا کہ مخاطبین پر حق آخری درجے میں واضح ہو گیا ہے یا نہیں اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ خدا کی غیر معمولی مداخلت سے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے حق و باطل واضح کر کے دکھا دیا جائے، اس گھڑی کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا اور اس کے بتائے بنا معلوم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن مذہبی مناظرین نے ان حقائق کو نظر انداز کر کے مباہلہ کا چیلنج دینے کا اختیار اپنے لیے بھی فرض کر لیا، انھوں نے ایک دوسرے پر لعنتیں کیں کہ جو باطل پر ہے، وہ تباہ ہو جائے، اس کی موت پہلے واقع

ہو جائے یا وہ غیر طبعی موت پائے وغیرہ، مگر نتیجہ ظاہر ہے کہ ان کے حسب منشا نہیں نکلا۔ خدا نے ان کے مطالبے پر اپنی مداخلت کا ثبوت نہیں دیا، خدا پر ان مناظرین کے زعم اور گمان کو پورا کرنے کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ حق و باطل کے لیے میزان اور فرقان اب قرآن مجید ہے، جواب دلائل کا میدان ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے نئے سرے سے فوق الفطرت مداخلت کا کوئی وعدہ غیر نبی کے لیے نہیں کیا گیا۔

مرزا صاحب چونکہ نبوت کے مدعی تھے، اس زعم میں وہ مباہلہ کا چیلنج دے سکتے تھے کہ ان کا دعویٰ تھا کہ خدا انھیں اپنی مرضی سے آگاہ کرتا ہے، مگر ان کے مخالفین چونکہ اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے تھے، اس لیے وہ نہ تو چیلنج دے سکتے تھے اور نہ ان کے چیلنج کو قبول کرنا ان کے لیے مفید ہو سکتا تھا۔ خدا ان کی مرضی کا پابند نہ تھا کہ ان کے کہنے پر کسی پر لعنت بھیجتا، اور یہ خدا کی مرضی جان نہیں سکتے تھے کہ وہ ایسا کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔

مرزا صاحب کے ساتھ مباہلہ ان کے مخالفین کے لیے ایک صورت میں حجت بن سکتا تھا کہ مرزا صاحب بغیر اگر مگر کے کوئی ایسا دعویٰ کرتے کہ جسے فوری طور پر وقوع پذیر ہونا چاہیے تھا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مرزا صاحب جھوٹے قرار پاتے۔ مگر مرزا صاحب مباہلہ کے موقع پر ایسا دعویٰ رکھتے تھے جو ایک تو فوری نوعیت کا نہ ہوتا تھا اور دوسرا اس میں تاویل کی گنجایش رہتی تھی۔ مثلاً یہ کہ جو جھوٹا ہو، وہ اپنے

مخالف کی زندگی میں فوت ہو جائے یا قرآن کی تفسیر فصیح عربی میں لکھی جائے جس کی تفسیر زیادہ مفصل اور زیادہ فصیح ہو گی، وہ سچا ہو گا۔ اس قسم کے چیلنج ثبوت حق کی شہادت نہیں بن سکتے۔ ان میں اتفاق کا امکان کہ کوئی واقعی مرزا صاحب سے پہلے فوت ہو جائے یا انسانی مداخلت، یعنی عربی زبان کی مہارت کا ہونا یا فصاحت بیان میں انسان کے موضوعی فیصلے کو بنیاد بنانا، مباہلہ کو فیصلہ کن نہیں بناتا۔ غالب اور مومن میں زیادہ فصیح کون ہے، اس بارے میں ایک سے زائد آرا ہو سکتی ہیں۔ ایسی باتیں مباہلہ کی کسوٹی نہیں بن سکتیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جہاں تک مرزا صاحب کی عربی کی فصاحت کا معاملہ ہے تو ماہرین زبان اس کی فصاحت کے بھی قائل نہیں، بلکہ ان کی مزعومہ عربی وحی میں گرامر کی اغلاط بھی پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ان کی تو اردو نثر بھی کئی جگہوں پر شدید غیر فصیح ثابت ہوتی ہے۔ اس کا یک گونا اعتراف مرزا صاحب کو بھی ہے کہ بسیار نویسی کی وجہ سے کچھ اغلاط ہونا ان کے نبی ہونے کے منافی نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ وحی کس طرح غیر فصیح اور گرامر کی اغلاط کے ساتھ وارد ہو سکتی ہے،[۷] مثلاً مرزا صاحب کو ملنے والی ایک وحی کے الفاظ یہ ہیں:

'یا مریم اسکن انت و زوجک الجنة...'[۸]

۷۔ مرزا صاحب کی تحریروں میں اردو کی اغلاط اور فصاحت کی کمی کے بارے میں تفصیل سے جاننے کے لیے دیکھیے: حرف محرمانہ، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، باب ۱۱۔

۸۔ مرزا قادیانی، کشتی نوح، ۶۱۔

اس میں مخاطب مریم ہے اور ضمیر مذکر کی استعمال کی گئی ہے!

احمدیوں کی استقامت

احمدیوں کی طرف سے ان کی صداقت کی دوسری شہادت یہ پیش کی جاتی ہے کہ پاکستان میں خصوصاً اور دنیا بھر میں عموماً مسلمانوں کی طرف سے احمدیت کی شدید مخالفت، ان کے افراد کے ساتھ امتیازی سلوک اور ظلم و زیادتی کے باوجود ان کی استقامت اور تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ بھی کوئی علمی دلیل نہیں ہے۔ استقامت اور مظلومیت بذات خود کوئی معیار حق نہیں ہوتے۔ استقامت کسی بھی نظریے یا عقیدے پر تیقن سے پیدا ہو جاتی ہے۔ استقامت از خود کسی غلط نظریے یا عقیدے کو درست ثابت نہیں کرتی۔

یہ انسانی نفسیات کا مسئلہ ہے کہ مظلوم گروہ میں خود پر ہونے والے مظالم کے خلاف رد عمل کی نفسیات کار فرما ہو جاتی ہے، جس سے اس میں ظلم کے مقابلے کے لیے زیادہ مزاحمت اور استقامت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے مظلوم افراد کی گروہی عصبیت اور اتحاد میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں ہر مذہب و ملت کی تاریخ میں ملتی ہیں، لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایسا ہی کوئی گروہ جب امن اور طاقت حاصل کر لیتا ہے تو اسے بھی آپس کے اختلاف اور افتراق کے وہی مسائل پیش آتے ہیں جو ہر گروہ کو طاقت اور امن کے حصول کے بعد پیش آتے ہیں۔ وہ بھی اپنے سے کم زور افراد اور گروہوں کے ساتھ اس سے مختلف رویہ نہیں دکھا

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

پاتے جس کے شکار وہ خود رہے ہوتے ہیں۔ اس کی نہایت جامع اور دل چسپ مثال یہود ہیں۔

بنی اسرائیل جب تک مصر میں ایک کم زور اقلیت کی حیثیت میں حالت غلامی اور جبر کا شکار رہے، پکے موحّد اور متحد رہے۔ بڑے صبر سے پہاڑوں جیسے مصائب کو جھیلا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی استقامت کی تعریف فرمائی۔ لیکن جیسے ہی یہ مصر سے نکل کر سمندر پار کر گئے، ان کا دشمن غرق ہو گیا، خوف ختم ہوا اور امن مل گیا تو مزاحمت کا محرک بھی ختم ہو گیا۔ چھوٹتے ہی انھوں نے اپنے گذشتہ ظالم آقاؤں کی نقالی میں موسیٰ علیہ السلام سے فرمایش کر ڈالی کہ ان کے لیے بھی بت بنائے جائیں، جن کی وہ پوجا کریں۔ اس پر حضرت موسیٰ نے انھیں ڈانٹ پلائی۔ لطف کی بات یہ کہ قرآن مجید میں ان کی اس استقامت اور ان کے اس انحراف کو ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے:

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ. وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى

”سو ہم نے اُن (فرعونیوں) سے انتقام لیا اور اُنھیں سمندر میں غرق کر دیا، اِس لیے کہ اُنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن سے بے پروا بنے رہے۔ اور اُن کو جو دبا کر رکھے گئے تھے، ہم نے اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا

www.al-mawrid.org www.javedahmedghamidi.com

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۵ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ. وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ.

(الاعراف ۷: ۱۳۶-۱۳۸)

جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔ بنی اسرائیل پر تیرے پروردگار کا وعدۂ خیر اِس طرح پورا ہوا، کیونکہ وہ ثابت قدم رہے اور ہم نے فرعون اور اُس کی قوم کا سب کچھ برباد کر دیا جو وہ (اپنے شہروں میں) بناتے اور جو کچھ (دیہات کے باغوں اور کھیتوں میں ٹٹیوں پر) چڑھاتے تھے۔ (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر کے پار اتار دیا۔ پھر اُن کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو (اس قدر احمق تھی کہ) اپنے کچھ بتوں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل نے (یہ دیکھا تو) کہا: اے موسیٰ، جس طرح اِن کے معبود ہیں، اِسی طرح کا ایک معبود ہمارے لیے بھی بنا دو۔ موسیٰ نے کہا: تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔"

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

امن و امان پا لینے کے بعد یہود کے آپسی جھگڑے موسیٰ علیہ السلام کے دور ہی میں شروع ہو گئے۔ ان کے ایک اقلیتی گھرانے کے فرد، طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کیا گیا تو انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ انھوں نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف سازشیں کیں، ان کے خلاف دشمنوں کی مدد کی، اسرائیل اور یہودیہ کی دو سلطنتیں بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ جنگیں کیں، یعنی جب تک وہ بیرونی دشمن کے ظلم کا شکار رہے، وہ موحّد بھی رہے اور متحد بھی، مگر امن پاتے ہی عقیدہ و عمل، دونوں کی خرابی میں مبتلا ہو گئے۔ یہی نہیں، بلکہ تاریخ کے جس دور میں بھی یہ کسی بیرونی طاقت کے ظلم کا شکار ہوئے، یہ پھر موحّد و متحد ہوتے رہے، یہاں تک کہ دور جدید میں دنیا بھر میں جب یہ ظلم کا شکار ہوئے تو متحد ہو کر انھوں نے اسرائیل جیسی طاقت ور ریاست قائم کر لی۔ دنیا بھر میں صدیوں تک ان کو مٹانے کی کوششیں ہوئیں، مگر وہ آج بھی قائم و دائم، بلکہ ترقی کر رہے ہیں۔ کیا ان کی استقامت ان کو برحق ثابت کرتی ہے؟

احمدی حضرات مسلسل مزاحمتی دور سے گزر رہے ہیں، اس لیے ان کی استقامت اور یک جہتی مثالی ہے، تاہم اپنے اندر اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ ان کا رویہ بھی کچھ کم جارحانہ نہیں۔ احمدیوں کے لاہوری گروپ کے خلاف ان کے جذبات کچھ کم شدید نہیں۔ چنانچہ استقامت اور مظلومیت سے برحق ہونے پر استدلال بھی ایک غیر علمی استدلال ہے۔

حق و باطل کی پرکھ علم و عقل کے میدان میں ہی ممکن ہے اور یہ اس لیے ممکن

ہے کہ ہمارے پاس قرآن مجید کی صورت میں ایک فیصلہ کن اتھارٹی موجود ہے۔
اسی کی روشنی میں ہم اب احمدیت کے دعاویٰ اور دلائل کو پرکھیں گے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

باب دوم

علمی استدلالات

تسلسل نبوت پر ہمارا موقف

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ابتدا ہی میں ان سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان کے پاس اگر خدا کی عنایت سے اس کی طرف سے کوئی ہدایت آئی تو ان کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اسے قبول کریں، جان بوجھ کر اس کا انکار کرنے والوں کا ٹھکانا ابدی جہنم ہو گا:

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ. وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ.

(البقرہ ۲: ۳۸-۳۹)

”ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر میری طرف سے اگر کوئی ہدایت تمھارے پاس آئے تو اُسی پر چلنا، اِس لیے کہ جو لوگ میری اِس ہدایت کی پیروی کریں گے، اُن کا صلہ جنت ہے، سو اُن کے لیے نہ وہاں کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کبھی غم زدہ ہوں گے۔ اور جنھوں نے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

(اِس کا) انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا، وہ دوزخ کے لوگ ہیں، وہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔''

دوسری جگہ یہ بتایا گیا کہ یہ ہدایت خدا کے منتخب اور مقرر نمایندے لے کر آئیں گے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ.

(الاعراف ۷: ۳۵-۳۶)

''آدم کے بیٹو، (میں نے پہلے دن تمھیں بتا دیا تھا کہ) اگر تمھارے پاس خود تمھارے اندر سے پیغمبر آئیں، تم کو میری آیتیں سناتے ہوئے تو اُن کی بات ماننا، اِس لیے کہ جو خدا سے ڈرے اور اُنھوں نے اپنی اصلاح کر لی، اُن کے لیے پھر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کبھی غم زدہ ہوں گے۔ اِس کے بر خلاف جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کر کے اُن سے منہ موڑ لیا، وہی دوزخ کے لوگ ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

خدا کی طرف سے اس کی ہدایت، وحی کی صورت میں انبیا علیہم السلام کے ذریعے سے نازل ہوتی رہی۔ تاہم، یہ خدا کی عنایت تھی، نہ کہ اس کا وعدہ یا ذمہ داری کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ بتایا یہ گیا تھا کہ "اگر" خدا کی طرف سے ہدایت آئی تو تمھارا رویہ کیا ہونا چاہیے، یہ نہیں کہا گیا تھا کہ ہدایت آتی رہے گی۔ چنانچہ خدا کی حکمت جب چاہتی کہ انبیا بھیجنے کا سلسلہ موقوف کر دیا جائے تو بغیر کسی اعلان کے یہ کیا جا سکتا تھا۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ختم نبوت سے پہلے بھی معاملہ یہ تھا کہ کسی نبی کی آمد کی توقع تو کی جا سکتی تھی مگر اس کا انتظار خدا کی طرف سے اطلاع پائے بنا کوئی جواز نہیں رکھتا تھا۔ رسالت محمدی کے بعد کسی نبی کی آمد کی محض عدم اطلاع ہی ختم نبوت کے لیے کافی تھی۔ اس پر ختم نبوت کے اعلان نے آخری درجے میں کسی نبی کی آمد کے امکان کا سرے سے خاتمہ کر دیا۔

بنی اسرائیل میں ان کی دینی اور سماجی، بلکہ سیاسی رہنمائی کے لیے بھی ان میں انبیا کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ یہ سلسلہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد شروع کیا گیا، جب تورات کی صورت میں کتاب شریعت انھیں دے دی گئی تھی:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ. (البقرہ ۲:۸۷)	"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اُس کے پیچھے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے تھے۔"

ان انبیا کو نبی، قاضی، غیب دان، غیب بین اور مرد خدا کہا جاتا تھا۔ ان کی

تصدیق کے لیے یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ پہلے سے موجود نبی آنے والے نبی کی نبوت کی تصدیق پانی یا تیل سے مسح کر کے کرتا۔ موجود انبیا آنے والے انبیا کی نشانیاں اور ذاتی اور صفاتی نام تک بتا کر بنی اسرائیل سے عہد لیتے کہ وہ ان پر ایمان لائیں گے۔ قرآن مجید اور بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے انبیا اور نجات دہندگان کی پیدایش سے پہلے ان کے والدین کو خواب اور الہام کے ذریعے سے بھی آگاہ کیا جاتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ان کے تحفظ کے لیے الہام اور حضرت مریم سے مسیح علیہ السلام کی پیدایش سے متعلق فرشتے کی براہ راست مخاطبت قرآن مجید میں مذکور ہے، جب کہ بائیبل میں انبیا، مثلاً سیموئیل اور نجات دہندہ، مثلاً سیمسون کی پیدایش سے پہلے ان کے والدین کو خواب میں آگاہ کرنے کا ذکر آیا ہے۔

لیکن امت محمدی میں ختم نبوت کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد غیبی خبروں کا کوئی ایسا سلسلہ جاری نہیں کیا گیا۔ یہ خدا کی طرف سے اطلاعات سے لاعلمی ہی تھی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفہ کے انتخاب سے لے کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو درپیش تمام نازک ترین مسائل میں مشاورت اور اجتہاد سے کام لینا پڑا۔ صحابہ نے کسی غیب دان کو تلاش کیا اور نہ کسی وحی یا الہام کا انتظار کیا۔ اپنے اقدامات اور فیصلوں کی بنیاد اپنے فہم اور دلائل پر رکھی، کسی الہام کا حوالہ دے کر حجت قائم نہیں کی گئی۔ ختم نبوت کے یہ بدیہی شواہد ہیں۔

ختم نبوت کے بعد صرف سچے خوابوں کا سلسلہ امت محمدی میں جاری رہنے کی

بشارت دی گئی ہے، مگر یہ صورت بھی قطعیت سے خالی رہی، اس لیے خوابوں کو بشارت تو کہا گیا، مگر حجت قرار نہیں دیا گیا۔

کسی نبی معصوم کی بے خطار ہنمائی اگرنا گزیر ہوتی، تو پھر اسے مسلسل رہنا چاہیے تھا کہ ہر دور کے لوگوں کو اس کی ضرورت ہے، پھر اسی بنا پر ایک نبی کا دوسرے نبی کی تصدیق کا سلسلہ بھی مسلسل رہنا چاہیے تھا، جیسے ابراہیم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ ﷺ تک یہ مسلسل رہا۔ امت محمدی میں نبیوں کا ایسا تسلسل سرے سے موجود ہی نہیں رہا جو مدعی نبوت کا تقرر یا اس کے دعویٰ کی تصدیق کر سکے، نہ خواب والہام کا ایسا کوئی سلسلہ ہے جو حجت قرار پا سکے۔ اب تمام معاملات کو دلیل و اجتہاد اور فہم و بصیرت کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے شورائیت کا اصول ختم نبوت کا نتیجہ ہے۔ اس شورائیت کی تربیت دور رسالت ہی میں شروع کرا دی گئی تھی:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ. "اور اُن کا نظام اُن کے باہمی مشورے پر مبنی ہے۔" (الشوریٰ ۴۲:۳۸)

آسمانی خبروں کا سلسلہ اگر جاری رہتا تو شورائیت کی ضرورت نہیں تھی۔

بنی اسرائیل کے تمام انبیا کی پیشین گوئیاں محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کی پیشین گوئی پر آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ آپ کے بعد کسی نئے نبی کی آمد کی خبر موجود نہیں ہے۔ اس سے یہ صاف واضح تھا کہ آپ کے بعد کسی اور نبی کو نہیں آنا۔ اب

اور کسی نبی کے انتظار کا کوئی جواز نہیں۔ اس پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہیں، وغیرہ، نے مزید انبیا کی آمد کے امکان کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا۔ قرآن مجید سے باہر ختم نبوت کی یہی بنیاد تھی جس کی بنا پر سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۴۰ میں ختم نبوت کا اعلان کر کے سلسلۂ نبوت کے خاتمے پر حتمی مہر لگا دی گئی۔

ان نکات کی تفصیل آگے کی جائے گی۔

کیا فرد کی ذاتی صداقت اس کے دعویٰ کی صداقت کے لیے حتمی حجت بن سکتی ہے؟

ہر صادق کے ہر دعویٰ کا سچا ہونا لازم نہیں ہوتا۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی صالح و صادق کسی غلط فہمی یا کسی نفسیاتی عارضے، (مثلاً شیزوفرینیا) کی بنا پر مابعد الطبیعیاتی نوعیت کا کوئی دعویٰ کر بیٹھے، جیسے یہ کہ وہ خدا یا فرشتوں سے مخاطبت رکھتا ہے۔ تاریخ ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ انسانوں سے جھوٹ نہ بولنے والے بھی بعض اوقات خدا پر جھوٹ باندھ دیتے ہیں۔ وضع حدیث میں سب سے زیادہ حصہ ''صالحین'' کا رہا ہے، جن پر محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ یہ لوگ بڑی نیک نیتی سے خدا اور رسول سے منسوب کر کے حدیثیں گھڑا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو نیکی کی راہ پر لایا جائے۔ ہمارا دور بھی ایسے صالحین سے خالی

نہیں۔ وجاہت کے حصول اور سیاسی مقاصد کے لیے بھی ہمارے زمانے کے "صالحین" کی طرف سے مذہبی اور سیاسی قائدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے مزعومہ سلام، پیغام اور مقدس خوابوں سے ان کی تائید کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ چنانچہ فرد کا ذاتی صدق و کردار ثابت ہونے کے باوجود بھی نبوت کی تصدیق کے لیے حتمی حجت اور معیار نہیں بنایا جاسکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اور انبیا کی طرف سے انبیا کے ذاتی صدق و کردار کو ان کی نبوت کی تصدیق کے لیے بطور حجت پیش بھی نہیں کیا گیا۔ مسیح علیہ السلام نے اس بات کو یوں بیان فرمایا ہے:

> "اگر میں صرف اپنے ہی بارے میں گواہی دیتا تو میری گواہی سچی نہ ہوتی، لیکن ایک اور ہے جو میرے بارے میں گواہی دیتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔ آپ لوگوں نے یوحنا کے پاس آدمی بھیجے اور اس نے سچائی کے بارے میں گواہی دی۔ مجھے انسانوں کی گواہی سے کوئی لینا دینا، نہیں مگر یہ باتیں اس لیے کہہ رہا ہوں تاکہ آپ نجات پائیں... لیکن میرے پاس یوحنا کی گواہی سے بھی بڑی گواہی ہے، کیونکہ جو کام میں کر رہا ہوں، وہ گواہی دے رہے ہیں کہ باپ نے مجھے بھیجا ہے۔"[1]

قرآن مجید کی ایک آیت سے ہمارے ہاں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کردار کی صداقت کو ان کی نبوت کی گواہی میں پیش کیا گیا ہے:

۱۔ یوحنا ۵: ۳۱-۳۷۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ.
(یونس ۱۰:۱۶)

''کہہ دو، اگر اللہ چاہتا تو نہ میں یہ قرآن تمھیں سناتا، نہ اللہ اِس کی خبر تمھیں دیتا۔ یہ اُسی کا فیصلہ ہے، اِس لیے کہ میں تو اِس سے پہلے ایک عمر تمھارے درمیان گزار چکا ہوں۔ (میں نے کب اِس طرح کی کوئی بات کبھی کی ہے)؟ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اس آیت کا سیاق صاف بتا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ کلام معجز بیان، جو اچانک مجھ سے صادر ہونے لگا ہے، اس طرح کی کوئی بات اس تمام عرصے میں جو میں نے تم میں گزارا، کبھی تم نے مجھ سے نہیں سنی، تو کیا یہ عجیب بات یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتی کہ یہ کلام اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہو رہا ہے؟ یہاں آپ کے کردار کی صداقت زیر بحث نہیں ہے۔

اسی طرح کوہ صفا پر جب پہلی بار آپؐ نے بر سر عام قریش مکہ کو دعوت دین دی تو یہاں بھی یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ آپ نے اپنے کردار کی گواہی پیش کر کے قریش کو دعوت ایمان دی تھی۔ معاملے کی یہ تفہیم درست نہیں۔ عرب میں روایت تھی کہ کسی دشمن کے ناگہاں حملے کے خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے بستی کا کوئی شخص پہاڑ پر چڑھ اور کپڑے پھاڑ کر 'یا صباحاہ' پکار کر خبردار کرتا تھا۔ اسے

'نذیر عریاں'، یعنی 'برہنہ خبر دار کرنے والا' کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روایت کے مطابق، مگر کپڑے پھاڑنے والی بے ہودگی کے برخلاف، لوگوں کو 'یا صباحاہ' پکار کر اکٹھا کیا تھا اور دشمن کے خطرے کی تمثیل استعمال کرتے ہوئے خدا کی طرف سے آنے والے عذاب سے پیش تر خود کو ایک خبر دار کرنے والے نذیر مبین کی حیثیت سے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا میری بات کا یقین کرو گے؟ سب نے جواب دیا:

نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا. (بخاری، رقم ۴۷۷۰)

"ہاں، ہم نے آپ کو سچا ہی پایا ہے۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فإنّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذابٍ شَدِيد. (بخاری، رقم ۴۷۷۰)

"تو میں خدا کی طرف سے عذاب شدید سے پہلے تمھیں خبر دار کر رہا ہوں۔"

عرب کی اس روایت کے مطابق کوئی بھی باخبر شخص پہاڑ پر چڑھ کر دشمن کے حملے سے آگاہ کرتا تو لوگ اس کی بات پر یقین کرتے تھے۔ جنگ کا خطرہ حد امکان میں ہوتا تھا اور ایسا گھمبیر مذاق کر کے کوئی شخص سماج میں اپنی حیثیت عرفی کھونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ یہ موقع آپ کی صداقت کی تمثیل بنانے کا نہیں، بلکہ خطرے کی اہمیت اجاگر کرنے کا تھا۔ تاہم اس منظر نامے میں آپ کی صداقت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آخری درجے کی حجت تھی کہ مخاطبین کے پاس اسے مسترد کرنے کا کوئی عذر نہ رہے۔ پھر اہل عرب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عذاب کی وعید سنائی تھی، وہ عذاب خدا اسے غافل ظالم قوموں پر اس سے پہلے بھی وارد ہوتا رہا تھا۔ اس کا حد امکان میں ہونا بھی ان کے نزدیک واضح تھا۔ چنانچہ اس واقعہ میں موضوع آپ کا کردار نہیں، بلکہ خطرے سے آگاہی تھا۔

یہ معیار کہ ایک شخص جو جھوٹا نہیں، اس کا دعویٰ نبوت بھی سچا ہو گا، مسلم روایت میں غالباً بازنطینی شہنشاہ قیصر اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والے مکالمے سے داخل ہوا ہے۔ اس مکالمے میں قیصر نے کہا تھا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا، وہ خدا پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا ہے۔ لیکن یہ در حقیقت کوئی کلیہ نہیں ہے۔ یہ قیصر کا ذاتی احساس ہو سکتا ہے، جب کہ حقائق، جیسا کہ پیش تر عرض کیا گیا، اس کے برعکس بھی موجود ہیں۔ چنانچہ کسی شخص کے ذاتی صدق کی بنا پر اس کے دعویٰ نبوت کو بھی سچا مان لینا کوئی عقلی اور دینی بنیاد نہیں رکھتا۔ چنانچہ کسی صادق کا دعویٰ نبوت بھی محض اس کے ذاتی صدق کی بنا پر قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نبی نے اپنے صدق کو اپنی نبوت کی صداقت کی حجت بنا کر پیش نہیں کیا۔ چنانچہ کسی مدعی نبوت کا اپنے صدق کی بنا پر اپنے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ نہ صرف سنت انبیا کے خلاف ہے، بلکہ خود اس کے خلاف حجت ہے کہ اس نے تصدیق نبوت کے لیے انبیا

کی سنت کے خلاف معیار کیوں مقرر کیا۔

اس سے ہٹ کر انبیا کی روایت سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ تصدیق نبوت کے لیے خدا کی طرف سے خاص قسم کی تصدیقی اسناد جاری کی گئیں، جن کو جھٹلانا اہل عقل و عدل اور انبیا کی روایت سے واقف لوگوں کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس کی تفصیل ذیل میں کی جاتی ہے۔

نبوت کی تصدیقی اسناد

انبیا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نبوت کی تصدیقی اسناد کی دو صورتیں رہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ایک یہ کہ جن اقوام میں پہلی بار کوئی نبی آیا، ان میں نبوت کی روایت موجود نہ تھی یا وہ نبی اور نبوت سے مانوس نہ تھے، وہاں انبیا کو اپنے مخاطبین میں سے متشککین اور مکذبین کے سامنے اپنی بعثت من جانب اللہ ثابت کرنے کے لیے ''بینات''، یعنی معجزات دیے گئے۔ انھیں ''برہان''، یعنی نشان کا نام بھی دیا گیا، یہ اسی لیے کہ یہ نبوت کی تصدیق کے لیے نشان الٰہی کا کام دیتے تھے۔ یہ معجزات، نبی کی قوم کے حالات اور نفسیات کو مد نظر رکھ کر دیے جاتے تھے۔ مثلاً ساحری کے شعبدوں سے متاثر فرعونیوں کو مرعوب اور قائل کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے دو معجزات دیے گئے:

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا ''اور یہ بھی کہ اپنی لاٹھی (زمین

تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ قف اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ. اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ز وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ.

(القصص ۲۸: ۳۱-۳۲)

پر) ڈال دو۔ پھر جب موسیٰ نے دیکھا کہ لاٹھی بل کھا رہی ہے، گویا کہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اُس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ فرمایا: موسیٰ، آگے آؤ اور ڈرو نہیں، تم بالکل مامون ہو۔ اپنا ہاتھ ذرا اپنے گریبان میں ڈالو، وہ بغیر کسی مرض کے سفید (چمکتا ہوا) نکلے گا اور اِس کے لیے اپنا بازو اپنی طرف سکیڑ لو، جس طرح خوف سے سکیڑتے ہیں۔ سو تیرے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس جانے کے لیے یہ دو نشانیاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔"

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مکہ میں شعر و ادب کا چرچا تھا۔ عزت و سیادت اسے حاصل ہوتی تھی جو زیادہ فصیح و بلیغ ہو۔ آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ خطابت کے جوہر دکھا کر جیتا جاتا تھا۔ نیز اہل کتاب کے برعکس اہل عرب، قرآن

کی اصطلاح میں ''علم'' سے تہی تھے۔ عقائد و ایمان کے باب میں ان کے عقائد و نظریات کے لیے ان کے پاس کوئی سند نہیں تھی۔ جو کچھ تھا، محض ظن و تخمین تھا۔ ان حالات میں قریش کے قائدین اور عام لوگوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی تصدیق میں قرآن مجید کی صورت میں علم و زبان کا معجزہ اس چیلنج کے ساتھ دیا گیا کہ یہ اگر انسانی تصنیف ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دیں۔ اس میں کسی غلطی، کسی اختلاف کی نشان دہی کر کے دکھا دیں۔

اس قسم کے برہان قاطع نبوت کی تصدیق کے لیے مہیا کیے جاتے تھے، لیکن انبیا کے مخاطبین کی طرف سے معجزات کی فرمایشوں کو پورا نہیں کیا گیا۔ یہ اس لیے کہ نبوت کی برہان قاطع نازل کر دیے جانے کے بعد مختلف لوگوں کے ذوق اور بدنیتی پر مبنی معجزات کی فرمایشوں کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا تھا اور نبوت اپنے کار منصبی سے ہٹ کر ان فضول فرمایشوں کی نذر ہو جاتی۔ ایمان لانے کے لیے عقل و فطرت پر مبنی استدلالات اور خاص برہان قاطع ہی کافی تھے۔

تصدیقی سند کی دوسری صورت یہ تھی کہ جس قوم (یہ واحد بنی اسرائیل کی قوم تھی) میں نبوت کی روایت موجود تھی، ان کے پہلے انبیا، جنھیں وہ تسلیم کر چکے ہوتے تھے، آنے والے انبیا کے لیے تصدیقی سند جاری کرتے۔ اس کی دو صورتیں تھیں:

ایک یہ کہ پہلے انبیا، آنے والے انبیا کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتے۔ یہ پیشین گوئیاں آنے والے انبیا کے ذاتی اور مخصوص صفاتی ناموں اور خصوصیات

کے ساتھ بیان کی جاتی تھیں۔

تصدیقی سند کی دوسری صورت یہ تھی کہ ایک نبی اگر اپنے سے پہلے نبی کی زندگی میں ہی آ جاتا تو پہلا نبی بعد والے نبی کا پانی یا تیل سے مسح کر کے اس کی نبوت کا اعلان کرتا۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے مذہبی، سماجی اور سیاسی رہنمائی کے لیے انبیا کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ انھیں نبی، قاضی، غیب دان، غیب بین اور مرد خدا کہا جاتا تھا۔ یہ نبی خدا سے خبر پا کر ان کی رہنمائی کرتے اور ان کے مسائل بھی حل کیا کرتے تھے۔ ان کا تقرر وحی کے ذریعے سے کیا جاتا تھا۔ ان کی آمد اور تقرری کے لیے پہلے سے موجود نبی کو اطلاع دی جاتی اور وہ پانی یا تیل سے مسح کر کے منصب نبوت پر اس کے تقرر کا اعلان کرتا۔ یہ ممسوح (مسح کیے ہوئے) کہلاتے تھے اور ان کی توہین خدا کی طرف سے سخت ترین سزا کی موجب ہوتی تھی۔ اس کے برعکس، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، ختم نبوت کی وجہ سے امت کی دینی، سماجی اور سیاسی رہنمائی کے لیے براہ راست آسمان سے وحی نازل نہیں کی گئی۔ وحی کی رہنمائی اگر ختم نبوت کے بعد بھی ناگزیر ہوتی تو پھر یہ مسلسل رہنی چاہیے تھی، کیونکہ ہر دور کے لوگوں کو ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے جو خطا سے پاک ہو، ایسے ہی جیسے بنی اسرائیل میں رہی۔ پھر یہ کہ ایک نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا چلا جاتا۔ امت محمدیہ میں لیکن ایسا کچھ عمل میں نہیں آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی سارا معاملہ انسانی فہم و بصیرت کے حوالے ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو گھمبیر مسائل کا سامنا تھا، مگر کسی نے کوئی غیب دان تلاش کیا اور نہ خواب و الہام کو حجت بنایا۔ سارے معاملات مشاورت اور اجتہاد سے طے کیے گیے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور کے بعد نئ نبوت کی کوئی حاجت محسوس نہیں ہوئی، علما اور صلحا قرآن و سنت کی بنیاد پر تمام معاملات کو حل کرتے رہے، تو اچانک انیسویں صدی میں، برصغیر میں اس کی ضرورت کا پیدا ہونا بے جوڑ قضیہ ہے جس کا کوئی جواز نہیں، پھر یہ کہ اس کی تصدیق کے لیے کوئی مابعد الطبیعی ذریعہ بھی دستیاب نہیں ہے۔ مسلمانوں میں خدا سے خبریں وصول کرنے کے دعاوی امت محمدیہ میں بہت بعد میں شروع ہوئے اور ان کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں اور جو ایک ذریعہ، قرآن مجید موجود ہے، اس میں کسی نئ نبوت کا ذکر موجود نہیں، بلکہ وہ ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے۔

بنی اسرائیل میں شروع میں باقاعدہ حکمرانی کا آغاز اسی لیے نہیں کیا گیا تھا کہ ان کی رہنمائی براہ راست آسمان سے مسلسل ہو رہی تھی، یہاں تک کہ انھوں نے ضد کر کے اپنے لیے بادشاہت کا نظام جاری کرایا اور ان کا حکمران بھی نبی نے منتخب کیا، مگر امت محمدی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رخصت ہوتے ہی عام مسلمانوں کے ذریعے سے نظم اجتماعی کا آغاز ہو گیا۔ دینی اور سیاسی مسائل کا حل مشاورت اور اجتہاد کی مدد سے کیا گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت رہی کہ ان کے لیے تصدیقی اسناد کی ساری صورتیں جاری کی گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام [2] سے یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) تک مسیح علیہ السلام کی آمد کے بارے میں مسلسل پیشین گوئیاں ان کے مخصوص صفاتی نام، یعنی 'مسیح' اور شخصی خصوصیات کے ساتھ کی گئیں۔ معجزات کی کثرت بھی ان کے ہاتھوں سے دکھائی گئی۔ مسیح علیہ السلام اپنے ذاتی کردار کے بجاے ان پیشین گوئیوں، حضرت یحییٰ کی گواہی اور اپنے معجزات کو اپنی نبوت کی تصدیقی اسناد کے طور پر بنی اسرائیل کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اناجیل سے درج ذیل اقتباسات دیکھیے:

> ''اگر میں صرف اپنے ہی بارے میں گواہی دیتا تو میری گواہی سچی نہ ہوتی، لیکن ایک اور ہے جو میرے بارے میں گواہی دیتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔ آپ لوگوں نے یوحنا کے پاس آدمی بھیجے اور اس نے سچائی کے بارے میں گواہی دی۔ مجھے انسانوں کی گواہی سے کوئی لینا دینا نہیں، مگر یہ باتیں اس لیے کہہ رہا ہوں تاکہ آپ نجات پائیں... لیکن میرے پاس یوحنا کی گواہی سے بھی بڑی گواہی ہے، کیونکہ جو کام میں کر رہا ہوں وہ گواہی دے رہے ہیں کہ باپ نے مجھے بھیجا ہے۔'' [3]

۲۔ یوحنا ۸: ۵۶۔ ''تمھارا باپ ابراہیم میرا دن دیکھنے کی امید پر بہت خوش تھا، چنانچہ اس نے دیکھا اور خوش ہوا۔''

۳۔ یوحنا ۵: ۳۱-۳۷۔

''پس یہودیوں نے آپ کے گرد جمع ہو کر آپ سے کہا تم کب تک ہمارے دل کو ڈانواں ڈول رکھو گے ؟ اگر تم مسیح ہو تو ہم سے صاف کہہ دو۔ سیدنا عیسیٰ نے انھیں جواب دیا کہ میں نے تو تم سے کہہ دیا مگر تم یقین نہیں کرتے۔ جو کام (معجزات) میں اپنے پروردگار کے نام سے کرتا ہوں، وہی میرے گواہ ہیں۔''[۴]

''جب یوحنا نے قید خانے میں یسوع کے کاموں کے بارے میں سنا تو انھوں نے اپنے شاگردوں کو ان کے پاس بھیجا تا کہ ان سے پوچھیں کہ ''کیا آپ ہی وہ شخص ہیں جسے آنا تھا یا کیا ہم کسی اور کا انتظار کریں؟'' یسوع نے جواب دیا: یوحنا کے پاس واپس جائیں اور انھیں ان باتوں کے بارے میں بتائیں جو آپ دیکھ اور سن رہے ہیں: اندھے دیکھنے لگے ہیں، لنگڑے چلنے پھرنے لگے ہیں، بہرے سننے لگے ہیں، کوڑھی ٹھیک ہو رہے ہیں، مردے زندہ کیے جا رہے ہیں اور غریبوں کو خوش خبری سنائی جا رہی ہے۔ وہ شخص خوش رہتا ہے جو میرے بارے میں شک نہیں کرتا۔''[۵]

ان پیشین گوئیوں میں آپ کی آمد کا تذکرہ آپ کے مخصوص صفاتی نام اور خصوصیات سے کیا گیا تھا۔

انبیا کی آمد کے بارے میں کی جانے والی پیشین گوئیوں کی خصوصیات

پیشین گوئیوں کے ذریعے سے نبوت کی تصدیقی سند کا اجرا حضرت ابراہیم

۴۔ یوحنا ۱۰: ۲۴-۲۵۔

۵۔ متی ۱۱: ۲-۶۔

علیہ السلام کی ذریت میں جاری کیا گیا تھا، جن میں نبوت ایک مسلسل روایت کے طور پر ایک مقرر وقت تک جاری رکھی گئی۔ ان پیشین گوئیوں میں اہم بات یہ ہے کہ آنے والے انبیا کی خصوصیات ہی نہیں، ان کے ذاتی اور مخصوص صفاتی ناموں کا بھی ذکر کیا جاتا تھا۔ ان پیشین گوئیوں کو نوشتۂ الٰہی میں درج کیا جاتا تھا۔ انھیں روایت کی صورت میں درجۂ تواتر تک پہنچایا جاتا تھا تاکہ کسی کو کوئی ابہام نہ رہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل آنے والے ہر نبی کے نام اور صفات سے واقف اور اس کی آمد سے پہلے سے اس کے منتظر رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب، اور محمد علیہم السلام کی بشارتیں، موسیٰ علیہ السلام سے یحییٰ تک ان کی طرف سے مسیح علیہ السلام کی بشارت اور زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام کی بشارت، ان سب کے ذاتی اور صفاتی ناموں اور خصوصیات کے ساتھ ملنا بائیبل اور قرآن مجید کے نصوص کی رو سے ہمارے علم میں ہے۔ پھر یحییٰ علیہ السلام نے مسیح علیہ السلام کی آمد کی خبر ہی نہیں دی، بلکہ باقاعدہ منادی کی اور مسیح علیہ السلام نے محمد رسول اللہ کی آمد کا مستقل اعلان کیا۔

اہم بات یہ ہے کہ انبیا کی آمد کی پیشین گوئیوں کا یہ تسلسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے ذکر پر رک جاتا ہے، اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ بنی اسرائیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے تک تین انبیا کے منتظر تھے، جن کی صفات ہی نہیں، ان کے نام بھی انھیں معلوم تھے، یعنی ایلیاہ (الیاس)، مسیح اور احمد / محمد۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق پیشین گوئیاں ان دونوں ناموں سے ان کے ہاں موجود تھیں۔ ان تینوں موعود شخصیات کا ذکر ایک ہی جگہ یوحنا کی انجیل میں آیا ہے:

''یہ وہ گواہی ہے جو یوحنا نے اُس وقت دی جب یہودیوں نے کاہنوں اور لاویوں کو اُن کے پاس یہ پوچھنے کے لیے بھیجا کہ ''تم کون ہو؟'' یوحنا نے اُن کی بات کا جواب دینے سے اِنکار نہیں کیا، بلکہ صاف صاف کہہ دیا: ''مَیں مسیح نہیں ہوں۔'' اِس پر اُنھوں نے اُن سے پوچھا: ''تو کیا تُم ایلیاہ ہو؟'' اُنھوں نے جواب دیا: ''نہیں۔'' اُنھوں نے پھر سے پوچھا: ''تو کیا تُم وہ نبی ہو جس کے آنے کے بارے میں پیش گوئی کی گئی تھی؟'' اُنھوں نے جواب دیا: ''نہیں۔'' تب اُنھوں نے کہا: ''تو پھر تُم کون ہو؟ تم اپنے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ہمیں کچھ تو بتاؤ تاکہ ہم جا کر اُن کو جواب دے سکیں جنھوں نے ہمیں بھیجا ہے۔'' یوحنا نے جواب دیا: ''جیسا کہ یسعیاہ نبی نے کہا، مَیں وہ آواز ہوں جو ویرانے میں پکار رہی ہے کہ ''یہوواہ کی راہ ہموار کرو۔''' اُن کاہنوں اور لاویوں کو فریسیوں نے بھیجا تھا۔ لٰہذا اُنھوں نے یوحنا سے پوچھا: ''اگر تُم مسیح یا ایلیاہ یا وہ نبی نہیں ہو جس کے آنے کے بارے میں پیش گوئی کی گئی تھی تو تُم لوگوں کو بپتسمہ کیوں دیتے ہو؟'' یوحنا نے اُنھیں جواب دیا: ''مَیں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں۔ آپ کے درمیان ایک شخص ہے جسے آپ نہیں جانتے۔ یہ وہ شخص ہے جو میرے پیچھے آ رہا ہے اور مَیں تو اِس لائق بھی نہیں کہ اُس کے جُوتوں کے تسمے کھولوں۔''' [٦]

٦۔ یوحنا ۱: ۱۹-۲۸۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں پیشین گوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذاتی نام 'احمد' سے کی تھی:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ. (الصف ۶۱:۶)

"یاد کرو، جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تورات کی اُن پیشین گوئیوں کا مصداق ہوں جو مجھ سے پہلے موجود ہیں، اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہو گا، مگر اُن کے پاس جب وہ کھلی کھلی نشانیاں لے کر آ گیا تو اُنھوں نے کہا: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔"

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"بائیبل کے مترجمین نے، معلوم ہوتا ہے کہ "احمد" کے نام کے ساتھ کی گئی پیشین گوئیوں میں "احمد" کے نام کا بھی ترجمہ کر دیا۔ چنانچہ کسی نے اس کا ترجمہ 'مددگار' کیا ہے، کسی نے 'وکیل'، کسی نے 'شفیع'، کسی نے 'سچائی کی

روح‘۔ رہا یہ کہ وہ لفظ کیا ہے؟ تو یوحنا میں جو یونانی لفظ استعمال ہوا ہے، وہ (paracletus) بتایا جاتا ہے، جس کے معنی بیان کرنے میں وہ موشگافیاں کی گئی ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ یہ یونانی لفظ ظاہر ہے کہ کسی سریانی لفظ کا ترجمہ ہو گا،اس لیے کہ انجیل کی اصل زبان سریانی تھی تو اب اس کی تحقیق کون کرے کہ وہ کیا تھی۔ جب ایک لفظ کو گم کرنے کی جدوجہد میں صدیوں سے ایک پوری قوم کی قوم لگی ہو تو اس کا سراغ لگانا کس کے امکان میں ہے! یہ تو قرآن کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس کا کچھ سراغ دیا۔ بعض مسلمان مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ اصل سریانی لفظ ’منحمنا‘ ہے جس کے معنی سریانی میں وہی ہیں جو ’محمدؐ ‘اور ’احمد‘ کے ہیں۔“[۷]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بائیبل میں سلیمان علیہ السلام کی غزل الغزلات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام ”محمدیم“ اب تک محفوظ ہے۔ اس کے عبرانی الفاظ یہ ہیں: ”واکُلُّو محمدیم“۔ عبرانی قاعدے کے مطابق، محمدیم میں یا اور میم جمع بنانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ محمدیم میں یہ جمع تعظیمی ہے۔ تعظیم کے لیے واحد کو جمع بنالینا زبانوں کا عمومی اسلوب ہے۔ چنانچہ محمدیم کا مطلب ”وہ سراپا محمد عظیم ہیں“ یا ”وہ سراپا قابل تعریف“ بنتا ہے۔ نیز یہ یہاں اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جو شخصیت کے نام پر دلالت کرتا ہے۔[۸]

۷۔ تدبر قرآن، تفسیری نوٹ سورۂ صف ۶۱:۶۔

۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد رسول اللہ کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں، عبدالستار غوری،

قرآن مجید کے بیان کے مطابق، اہل کتاب قرآن مجید کو ایسے پہچانتے تھے جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ.

(البقرہ ۲:۱۴۶)

”(یہ حقیقت ہے کہ) جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اِس چیز کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور اِن میں یہ ایک گروہ ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھپاتا ہے۔“

www.alfawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یعنی وہ نہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہچانتے تھے، بلکہ آپ کی لائی ہوئی کتاب سے بھی واقف تھے کہ یہ کتاب الٰہی ہے۔

قرآن مجید اہل کتاب کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بار بار ان پیشین گوئیوں کے مصداق کی حیثیت سے پیش کرتا ہے جن کا ذکر تواتر سے اہل کتاب کی کتب اور روایت میں نقل ہوتا چلا آتا تھا:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

”اور جب اللہ کی طرف سے ایک پیغمبر اُن پیشین گوئیوں کے مطابق اِن کے پاس آگیا ہے جو اِن کے ہاں موجود ہیں تو یہ لوگ جنھیں کتاب

المورد، لاہور، ۲۲-۲۴۔

كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ. (البقرہ ۲:۱۰۱)

دی گئی، اِن میں سے ایک گروہ نے اللہ کی اِس کتاب کو اِس طرح اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ اِسے جانتے ہی نہیں۔“

قرآن مجید میں جہاں 'مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ / مَعَكُمۡ' اور 'مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرَاةِ وَالۡاِنۡجِيۡل' جیسے الفاظ آئے ہیں، وہاں گذشتہ کتب کی موجودہ حالت کی تصدیق مراد نہیں ہے، یہ اس لیے کہ یہ موقع نبوت کی صداقت کی دلیل بیان کرنے کا ہے۔ گذشتہ آسمانی کتب کی تصدیق کرنے سے نبوت کی صداقت کی کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کے ان مقامات میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نبی ان پیشین گوئیوں کا مُصَدِّق یا مصداق بن کر آ گیا ہے جنھیں وہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں، اب وہ اس نبی کو پہچاننے سے انکار نہ کریں۔

'صَدَّقَ' کسی موجود کی تصدیق کرنے کو بھی کہتے ہیں اور کسی متوقع بات کی تصدیق کرنے یا سچ کر دکھانے کے مفہوم میں بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید میں آیا ہے:

وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ. (سبا ۳۴:۲۰)

”اِس میں کیا شبہ ہے کہ اُن پر ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ سو وہ اُسی کے راستے پر چلے، ایمان والوں کے ایک گروہ قلیل کے

سوالـ ''

'صَدَّقَ' کا یہ دوسرا معنی ہی آیت بالا میں درست ہے۔ یہی معانی 'مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ / مَعَكُمْ' اور 'مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ' میں مراد لینا درست ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل کتاب کے ہاں آخری نبی کی پیشین گوئیوں کے مُصدِّق، یعنی مصداق بن کر آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر ان پیشین گوئیوں کو سچ کر دکھایا۔ نبوت کی دلیل اگر بن سکتی ہے تو یہی بن سکتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی دینی روایت میں آخری دور میں آنے والے انبیا کے بارے میں جو خبر دی گئی، اس میں ان انبیا کی تعداد تین سے آگے نہیں بڑھی۔ آخری خبر 'وہ نبی'، 'احمد' اور 'محمدیم' کے ناموں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہونے والی انبیا کی آمد کی پیشین گوئیوں کی اس مستقل روایت کے برعکس قرآن مجید میں کسی نئے نبی کی آمد کی کوئی پیشین گوئی موجود نہیں ہے۔ کسی نبی کے ذاتی یا مخصوص صفاتی نام اور اس کی خصوصی نشانیوں کے ساتھ کوئی خبر نہیں دی گئی۔ رسالت محمدی کے بعد کسی اور نبی کی آمد کے بارے میں پیشین گوئی کی غیر موجودگی ختم نبوت کی از خود کافی دلیل تھی۔ اس کو مزید موکد آپؐ کے ان ارشادات نے کیا جن میں آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کی نفی کر دی گئی۔ پھر ایک موقع پر قرآن مجید میں ختم نبوت کا ذکر پوری قطعیت اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حتمیت کے ساتھ کر کے انبیا کی بعثت پر آخری درجے میں اختتام کی مہر لگا دی گئی۔ نبوت کا خاتمہ علی الاطلاق کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی نبوت کے جاری رہنے کی گنجایش نہیں رہی (آیت ختم نبوت پر تفصیلی بحث آگے آتی ہے)۔

مسیح کی آمد ثانی کی روایت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب چند روایات میں آپ کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کا ذکر آیا ہے، جن کی بنیاد پر مرزا غلام احمد صاحب نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور خود کو مسیح موعود اور مثیل مسیح قرار دیا۔

پہلی بات یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی پیشین گوئی قرآن مجید بیان نہیں کرتا، یوں وہ ان کی آمد کے معاملے کو انبیا کی آمد سے متعلق متواتر روایت کی حیثیت نہیں دیتا، جیسا کہ ذریت ابراہیم انبیا کی آمد کی پیشین گوئیوں کی روایت متواتر درجے میں چلی آتی تھی۔ مسیح علیہ السلام کی آمد ایسی اہم بات تھی کہ اسے سب سے پہلے قرآن مجید میں بیان ہونا چاہیے تھا۔ کچھ آیات سے اسے ثابت بھی کیا جاتا ہے، مگر اس کے لیے تکلف آمیز تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ تاویلات کسی طرح فیصلہ کن نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس قدر اہم خبر کو اتنا مبہم کیسے رکھا جا سکتا ہے کہ اس کے لیے تاویلات کرنا پڑیں؟ اہم امور کے بیان میں قرآن مجید کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اگر قیامت کی نشانی کے طور پر یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن مجید میں آ سکتا ہے تو مسیح علیہ السلام کی آمد کا واقعہ تو اس سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے،

اسے پوری وضاحت سے بیان میں آنا چاہیے تھا۔

دوسری بات یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی خبر، خبر واحد ہے، یہ متواتر روایت کی حیثیت نہیں رکھتی، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا چرچا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی دور میں اس کا مشہور ہو جانا دوراول میں اس کی غیر متواتر حیثیت کو تبدیل نہیں کرتا۔

تیسرے یہ کہ یہ انبیا کی آمد کی پیشین گوئیوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ آنے والے نبی کا ذاتی اور مخصوص صفاتی نام اور خصوصیات بیان کی جاتی تھیں، جیسا کہ پیش تر مذکور ہوا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خود کو مثیل مسیح قرار دے کر اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ مگر نکتۂ اعتراض یہ ہے کہ اس پر بھی ان کا ذاتی اور صفاتی نام اور خصوصیات کا قرآن مجید یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے احادیث متواترہ کے ذریعے سے معلوم ہونا ضروری تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مثیل موسیٰ تھے، مگر آپ کا ذاتی نام واضح طور پر بائبل کی پیشین گوئیوں میں مذکور ہوتا رہا۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام سے مراد اگر مسیح ابن مریم نہیں تھے، بلکہ ان کے روپ میں کوئی دوسرا شخص تھا، جو مثیل مسیح تھا، تو ضروری تھا کہ اس کا ذاتی اور صفاتی نام اور خصوصیات بھی بتائی جاتیں۔ محض مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر لینے سے مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ دعویٰ کوئی بھی کر سکتا ہے۔ اس ابہام سے بچنے کے لیے ضروری تھا کہ مثیل مسیح کا نام اور خصوصیات خبر متواتر کی صورت میں امت کو

فراہم کی جاتیں۔

مرزا غلام احمد صاحب نے ذخیرۂ احادیث میں مسیح علیہ السلام کی آمد سے متعلق پیشین گوئیوں کے خود پر انطباق میں بے حد دور از کار تاویلات سے کام لیا ہے، جس سے معاملہ اس قدر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ پیشین گوئیوں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے کہ ان سے لوگوں پر کوئی حجت قائم کی جا سکے۔

مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے اخبار کی مرزا صاحب کی ذات اور حالات پر تطبیق کی مشکلات سے قطع نظر، ہمارا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ ان روایات کو قرآن مجید قبول نہیں کرتا۔ نہ صرف یہ کہ قرآن مجید ایسی کوئی خبر نہیں دیتا، بلکہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے وفات پائی اور ان کا جسد مبارک بھی اٹھا لیا گیا تھا۔ قرآن مجید کا درج ذیل مقام ملاحظہ کیجیے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (آل عمران ۳:۵۵)	”اُس وقت، جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور تیرے اِن منکروں سے تجھے پاک کروں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت کے دن تک اِن منکروں پر غالب رکھوں

گا۔“

’توفی‘ کا لفظ اردو کے لفظ ”انتقال“ کی طرح جب مطلق بولا جائے تو یہ وفات، یعنی موت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے:

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ج فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ. (یوسف ۱۲:۱۰۱)	”پروردگار، تو نے مجھے اقتدار میں حصہ عطا فرمایا اور باتوں کی تعبیر کر لینے کے علم میں سے بھی سکھا دیا۔ زمین اور آسمانوں کے بنانے والے، دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ مجھے اسلام پر موت دے اور اپنے نیک بندوں کے زمرے میں شامل فرما۔“

پھر جیسے ”انتقال“ کو وفات کے معنی سے پھیرنے کے لیے کوئی قرینہ چاہیے، جیسے زمین کا انتقال کرانا، اسی طرح ’توفی‘ کو وفات کے معنی سے پھیرنے کے لیے قرینہ درکار ہوتا ہے، جیسے درج ذیل آیت میں موجود ہے، جو نیند کی حالت میں جان کے عارضی قبض کو بیان کرتا ہے:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ج فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی	”حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی جانیں قبض کرتا ہے، جب اُن کی موت کا وقت آ جاتا ہے اور جن کی موت

عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ.
(الزمر ۳۹: ۴۲)

نہیں آئی ہوتی، اُنھیں بھی نیند کی حالت میں اِسی طرح قبض کر لیتا ہے۔ پھر جن کی موت کا فیصلہ کر چکا، اُن کو روک لیتا ہے اور جو باقی ہیں، اُنھیں ایک مقرر وقت تک کے لیے رہا کر دیتا ہے۔ اِس میں، یقیناً اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔''[۹]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

دوسری بات یہ کہ سورۂ آل عمران کی درج بالا آیت میں قرآن مجید نے مسیح علیہ السلام کے لیے قیامت تک کا لائحۂ عمل بیان فرمایا ہے۔ یہ موقع تھا کہ اگر مسیح علیہ السلام نے واپس دنیا میں آنا ہوتا تو یہاں یہ بھی بیان کر دیا جاتا کہ قیامت سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر دنیا میں بھیجے جائیں گے، مگر ایسا نہیں کہا گیا۔ چنانچہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دوبارہ دنیا میں آنا قرآن مجید کے بیانات کی رو سے حد امکان میں نہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی بعض روایات چونکہ سند کے اعتبار سے قوی بھی ہیں، اس لیے ان روایات کے بارے میں ہمارا رجحان

۹۔ 'توفی' کی یہ توضیح برادر جناب محمد حسن الیاس صاحب کی ایک تحریر سے ماخوذ ہے۔

یہ ہے کہ یہ تمثیلی رنگ میں ہیں۔ جہاں مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے، وہاں مسیح الدجال کا ذکر بھی ساتھ آیا ہے، مثلاً دیکھیے:

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا، فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلٰى رَجُلَيْنِ أَوْ عَلٰى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ، يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا؟ قِيلَ: هَذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، فَسَأَلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقِيلَ لِي: هَذَا الْمَسِيحُ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج رات (اللہ نے) مجھے خواب دکھایا کہ میں کعبہ کے پاس ہوں، پھر میں نے ایک گندمی رنگ کا آدمی دیکھا، تم نے جو گندمی لوگ دیکھے ہیں، وہ ان میں سب سے خوب صورت تھا، تم نے کندھوں تک سر کے جو لمبے بال دیکھے ہیں، ان میں سب سے زیادہ خوب صورت اس کے بال تھے جنھیں اس نے کنگھی کیا تھا، پانی کے قطرے اس کے بالوں سے گر رہے تھے، اس شخص نے دو آدمیوں یا ان کے کندھوں پر سہارا لیا ہوا تھا اور بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

الدَّجَّالُ". [١٠]	مسیح ابن مریم ہیں، پھر میں نے ایک آدمی دیکھا جو دائیں آنکھ سے کانا تھا اور اس کے بال بہت زیادہ گھنگریالے تھے، اس کی (کانی) آنکھ اس طرح تھی، جیسے پھولے ہوئے انگور کا دانہ ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کہا گیا: یہ مسیح دجال ہے۔"

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

معلوم ہوتا ہے کہ مسیح الدجال کی طرح مسیح بھی تمثیل ہے۔ یعنی مسلمانوں کا کوئی صالح حکمران یا دین کا کوئی خادم یا کوئی فکر ہو گا جس سے دجالی عہد میں دین کی تجدید کا کام لیا جانا مقصود ہے۔ دین ابراہیمی کے ساتھ یہودی فقیہوں اور فریسیوں کے دجل و دسیسہ کاریوں کے مقابل جس طرح مسیح علیہ السلام دین کی اصل روح، ایمان اور اخلاق کا مقدمہ لے کر کھڑے ہوئے تھے، اسی طرح اسلام میں اہل مذہب کی کج فہمی اور الحاد و تشکیک کے فلسفوں کی دجل کاری کے مقابل کوئی شخص یا فکر مسیح علیہ السلام کی کاوشوں کی طرح دین کے اصل پیغام اور اس کی روح کو ظاہر کرنے کے لیے کارفرما ہو گا۔

مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے بارے میں وارد ہونے والی قوی روایات میں وہ

١٠۔ مالک بن انس، امام، موطا مالک، محقق: عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ لبنان ٢/ ٩٢٠۔

تفصیلات نہیں ہیں جو ضعیف روایات میں بیان ہوئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفصیلات اہل کتاب میں پائی جانے والی روایات سے حاصل ہوئی ہیں۔ یہود بھی مسیح علیہ السلام کے منتظر رہے، کیونکہ ان کے مطابق وہ جو آئے تھے وہ مسیح علیہ السلام نہ تھے، مسیح علیہ السلام کو ابھی آنا ہے، جب کہ مسیحیوں میں آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی آمد ثانی کا عقیدہ رائج ہو گیا تھا۔ پھر ان سے یہ نظریہ مسلمانوں میں اپنی تفصیلات کے ساتھ سرایت کر گیا۔

سورۂ احزاب میں ختم نبوت کا اعلان ضمناً آنے کی وجہ

انبیا کی آمد کی پیشین گوئیاں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بھی عرض کیا گیا کہ کسی نبی کی آمد کا انتظار خدا کی طرف سے اس کی آمد کی خبر پانے کے بعد ہی جواز پیدا کرتا ہے۔ مزید یہ کہ آپؐ نے انبیا کی آمد کی پیشین گوئیوں کی پہلے سے موجود روایت کے برعکس اپنے بعد کسی اور نبی کے آنے کی تردید بھی کر دی۔ ادھر قرآن مجید دین کی تکمیل کا اعلان کر رہا تھا، اور اس کے بدیہی نتیجے کے مطابق کسی اور نبی اور سلسلۂ نبوت کے جاری رہنے کے بیان سے بھی یکسر خالی تھا، بنی اسرائیل کی روایت کے برعکس کسی آنے والے نبی پر ایمان اور اس کی اطاعت کے لیے کوئی عہد اور اقرار بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔ قرآن مجید اور اس سے پہلے کی وحی پر ایمان لانے ہی کو فلاح و نجات کے لیے کافی قرار دے رہا تھا، بعد میں آنے والی کسی وحی پر ایمان لانے کے لیے ذہن سازی بھی نہیں کر رہا

تھا، ختم نبوت کی یہی بنیادیں تھیں جن کی بنا پر قرآن مجید میں آپ کی ختم نبوت کا ذکر ایک پیش آمدہ مسئلے کے ضمن میں اس طرح کیا گیا، گویا یہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ختم نبوت کے ذکر کا موقع اُس وقت پیدا ہوا جب اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو آپ ؐ کے منہ بولے بیٹے، حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم منہ بولے بیٹوں کے معاملے میں جاہلیت کی ایک رسم کہ وہ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے اور اس کی بیوی کو حقیقی بہو کی طرح سمجھتے تھے، کی اصلاح کے لیے دیا گیا تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ آپ ؐ چونکہ آخری پیغمبر ہیں، اِس لیے ضروری ہوا کہ آپ ہی کے ذریعے سے اِس رسم بد کی اصلاح کی جائے۔ آپ کے بعد اگر کوئی اور نبی آنے والا ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ اللہ اِس معاملے کو آیندہ کے لیے اٹھا رکھتا، لیکن اب کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے، اِس لیے یہ ذمہ داری آپ ہی کو پوری کرنی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اپنے موقع پر آتی ہے۔

اب احمدیت کے استدلالات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

باب سوم

احمدی حضرات کے استدلالات کا جائزہ

احمدیت کا بنیادی دعویٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی تسلسلِ نبوت کا ہے۔ دوسرا دعویٰ پہلے دعویٰ کی بنیاد پر مرزا غلام احمد صاحب کے مسیح موعود ہونے کا ہے۔ان کا ماننا ہے کہ خاتم النبیین کے اعلان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمالِ نبوت کا اختتام ہوا ہے، نہ کہ سلسلۂ نبوت کا اختتام۔ ان کے مطابق، آپ ﷺ کے بعد، آپ کے تابع، آپ سے کم تر درجے کے انبیا آتے رہیں گے، ایسے ہی جیسے بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحب شریعت رسول کے بعد ان کی شریعت کے تابع نبی بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے آتے رہے۔

ان کے مطابق محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد مرزا غلام احمد صاحب سے پہلے بھی صاحبان وحی اس امت میں گزرے ہیں۔ مرزا صاحب کا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے نبوت کا باقاعدہ دعویٰ بھی کیا اور اپنے نہ ماننے والوں کی تکفیر بھی

کی۔ان کے مطابق یہ تکفیر کسی مسلمان کو اسلام کے دائرے سے خارج نہیں کرتی، لیکن احمدیت کے دائرے سے خارج کر دیتی ہے۔ تاہم یہ تاویل بے بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ کسی ایک نبی کا انکار بھی خدا کا انکار ہے، اس لیے یہ ممکن نہیں کہ مرزا صاحب کو خدا کا نبی ماننے والے، ان کا انکار کرنے والوں کو کسی طرح مسلمان باور کر سکیں۔ مرزا صاحب کی تحریروں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر احمدی مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے، اہل کتاب کی طرح ان کے ساتھ مناکحت کو صرف ان کی خواتین تک محدود رکھنے کے قائل اور دنیا اور آخرت میں ان کے خسران کی پیشین گوئیاں کرتے تھے۔

آیت ختم نبوت کے بارے میں احمدی موقف

آیت ختم نبوت پر احمدی حضرات کے ملاحظات درج ذیل ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا.

(الاحزاب ۳۳: ۴۰)

”محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔“

احمدی حضرات کے ترجمے میں بھی ’خاتم‘ کو مہر ہی کے معنی میں لیا گیا ہے:

”نہ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ تھے نہ ہیں (نہ ہوں گے) لیکن اللہ کے رسول ہیں بلکہ (اس سے بڑھ کر) نبیوں کی مہر ہیں اور اللہ ہر ایک چیز سے خوب

آگاہ ہے۔''(تفسیر صغیر)

اس ترجمے میں قوسین میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آیندہ کے لیے بھی کسی مرد کے باپ ہونے کے امکان کی نفی کی گئی ہے۔اس کی دلیل ان کی طرف سے یہ دی جاتی ہے کہ 'مَا كَانَ' کے الفاظ عربی زبان میں صرف یہی معنی نہیں دیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اِس وقت کسی مرد کے باپ نہیں، بلکہ یہ معنی بھی دیتے ہیں کہ آیندہ بھی کسی مرد کے باپ نہیں ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے: 'كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا'(النساء ۴:۱۵۸)،یعنی اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم تھا، ہے اور آیندہ بھی رہے گا۔

آیت کی تشریح میں صاحب ''تفسیر صغیر'' لکھتے ہیں:

''ختم نبوت کے یہ معنے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سب نبیوں سے افضل ہے۔''[۱]

پوری آیت کی تشریح احمدیت میں کچھ یوں کی جاتی ہے:

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کا واقعہ پیش آیا تو لوگوں نے باتیں بنائیں۔اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی عرب کے رواج کے خلاف تھی، کیونکہ وہ اسے بھی حقیقی بہو کی طرح ہی سمجھتے تھے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جو سمجھتے ہو کہ زید (رضی اللہ عنہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں، یہ غلط ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی

۱۔ مرزا بشیر الدین محمود، تفسیر صغیر، دارالمصنفین، ربوہ، جھنگ، ۵۵۱۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بالغ جوان مرد کے باپ ہیں ہی نہیں اور صرف اِس وقت باپ نہیں، بلکہ آیندہ بھی کسی مرد کے باپ نہیں ہوں گے۔ اس اعلان پر قدرتاً لوگوں کے دلوں پر ایک اور شبہ پیدا ہونا تھا کہ مکہ میں تو سورۂ کوثر کے ذریعے سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تو اولاد نرینہ سے محروم رہیں گے، مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم محروم نہیں رہیں گے، لیکن اب سالہا سال کے بعد مدینہ میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی بالغ مرد کے باپ ہیں نہ آیندہ ہوں گے، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ سورۂ کوثر والی پیشین گوئی (نعوذ باللہ) جھوٹی نکلی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مشکوک ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: 'وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'، یعنی ہمارے اس اعلان سے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوا ہے، باوجود اس اعلان کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، بلکہ خاتم النبیین ہیں، یعنی نبیوں کی مہر ہیں۔ پچھلے نبیوں کے لیے بطور زینت ہیں اور آیندہ کوئی شخص نبوت کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا، جب تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اس پر نہ لگی ہو۔ ایسا شخص آپ کا روحانی بیٹا ہوگا اور ایک طرف سے ایسے روحانی بیٹوں کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا ہونے سے اور دوسری طرف اکابر مکہ کی اولاد کے مسلمان ہو جانے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ سورۂ کوثر میں جو بتایا گیا تھا، وہ ٹھیک تھا۔ ابو جہل، عاص اور ولید کی اولاد ختم کی جائے گی اور وہ

اولاد اپنے آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دے گی اور آپ کی روحانی اولاد ہمیشہ جاری رہے گی اور قیامت تک ان میں ایسے مقام پر لوگ فائز ہوتے رہیں گے جس مقام پر کوئی عورت کبھی فائز نہیں ہو سکتی، یعنی نبوت کا مقام، جو صرف مردوں کے لیے مخصوص ہے... پس اگر خاتم النبیین کے یہ معنی کیے جائیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور آیندہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو یہ آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور سیاق و سباق سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا اور کفار کا وہ اعتراض، جس کا سورۂ کوثر میں ذکر کیا گیا ہے، پختہ ہو جاتا ہے۔[2]

اس بیان میں درج ذیل نکات ہیں:

- 'کَانَ' کی خبر حال کے ساتھ مستقبل کے لیے بھی موثر ہے۔ "تفسیر صغیر" کے ترجمے میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔
- 'لٰکِنۡ' سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوّت کی نفی سے پیدا ہونے والے شبہ کہ اولاد نرینہ نہ ہونے کی بنا پر آپ کا نام لیوا کوئی نہ ہو گا، کو 'لٰکِنۡ' کے بعد کے بیان سے دور کرنا ضروری ہے، چنانچہ اسے آپؐ کی روحانی اولاد کے مفہوم سے دور کیا گیا ہے جو آپ کے نام لیوا ہوں گے اور نبیوں کی شکل میں بھی آتے رہیں گے۔

۲۔ عدیم احمد (احمدی)، بہ ادنیٰ تصرف راقم، فیس بک مکالمہ۔

- ان آنے والے نبیوں پر آپ کی مہر تصدیق لگی ہو گی۔ مہر تصدیق کے لیے نقش پیدا کرتی ہے، جس پر آپ کی نبوت کا پر تو ہو گا، وہ گویا آپ کی طرف سے تصدیق شدہ نبی ہو گا۔
- 'خَاتَم' کا لفظ مہر کے ساتھ زینت اور افضیلت کے اضافی مفاہیم بھی رکھتا ہے۔ اسی بنا پر آپ زینت الانبیا اور افضل الانبیا ہیں۔
- 'خَاتَم' کے معنی اختتام کمال کے ہیں، نہ کہ مطلق اختتام کے۔ یعنی خاتم النبیین کا مفہوم کمال نبوت کا اختتام ہے، یعنی آپ جیسا کامل درجے کا کوئی اور نبی اب نہیں آئے گا، البتہ آپ سے کم تر درجے کے انبیا آ سکتے ہیں۔ اس پر دلیل یہ دی جاتی ہے کہ خاتم الشعرا اور خاتم الاولیا جیسی تراکیب میں 'خاتم' سے مراد آخری نہیں، بلکہ مجازی معنی کے اعتبار سے درجۂ کمال میں آخری فرد مراد لیا جاتا ہے۔

نقد

پہلی بات یہ ہے کہ 'کَانَ' کی خبر میں دوام اور استقرار اس کا ایک پہلو ہے جو عام ہے نہ لازم، یعنی اسے ہر جگہ لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً 'کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً'، ''لوگ ایک ہی امت تھے'' (البقرہ ۲: ۲۱۳)، تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک ہی امت رہیں گے؟

دوام و استقرار کا معنی خبر کی خصوصیت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے، نہ کہ 'کَانَ' کے فعل میں ایسی کوئی خصوصیت ہے۔ اس لیے ختم نبوت والی آیت میں 'مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ' سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیندہ بھی کسی مرد کے باپ نہ ہو سکیں گے، یہ وہم آیت کے الفاظ سے پیدا نہیں ہوتا جس کے تدارک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی باپ بنانے کا استدلال درست قرار دیا جا سکے۔ چنانچہ اس آیت کے بعد آپ اگر کسی نرینہ اولاد کے باپ بن جاتے اور وہ بلوغت کو بھی پہنچ جاتی تب بھی آیت کے بیان میں فرق نہیں پڑ نا تھا، کیونکہ مسئلہ زیر بحث میں معترضین کا یہ اعتراض رفع کرنا تھا کہ حضرت زید سمیت آپ کسی مرد کے باپ نہیں، زید کی مطلقہ آپ کی حقیقی بہو نہیں، اس لیے آپ پر بہو سے نکاح کا اعتراض لغو ہے۔ یہ آیت یہ خبر نہیں دے رہی کہ آپ مستقبل میں بھی کسی مرد کے باپ نہ ہوں گے، اس لیے سورۂ کوثر سے منسوب 'اَبْتَر' والے طعنے کی تردید کا یہاں کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کسی مرد کے باپ نہ ہوئے، لیکن اس امر واقعہ کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔

حرف استدراک 'لٰکِنْ'

احمدی حضرات کا حرف استدراک 'لٰکِنْ' کی بنا پر اس آیت سے یہ مفہوم لینا کہ محمد رسول اللہ کسی مرد کے باپ نہیں، لیکن وہ آنے والے انبیا کے روحانی باپ

ہیں، یہ مفہوم لفظاً اور معناً، دونوں طرح لینا ممکن نہیں۔ 'لٰکِنْ' کے بعد 'رَسُوْلَ اللّٰہِ' کہا گیا ہے، اسے زبان و بیان کے کسی قاعدے سے ''روحانی باپ'' کے معنی میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ بالفرض محال یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ 'لٰکِنْ' کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحانی ابوّت کا ذکر یہاں کسی طرح شامل ہے تو اس لحاظ سے روحانی ذریت کے ذکر سے بھی کسی نئے نبی کے آنے کا مفہوم قطعیت سے بہر حال ثابت نہیں ہوتا۔ روحانی اولاد سے صالح مومنین مراد لینا بھی کفایت کرتا ہے، نبی ہونا ہی کیوں ضروری ہو؟

حرف استدراک 'لٰکِنْ' سے پیدا ہونے والے مفہوم کو درست طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ 'لٰکِنْ' کے بعد جو مذکور ہوا ہے، اس سے کون سا وہم دور ہوا ہے، نہ کہ یہ 'لٰکِنْ' سے پہلے کے بیان سے کوئی وہم پیدا کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ احمدی حضرات نے یہاں فہم کلام کا یہی معکوس طریقہ اختیار کیا ہے، اس لیے نتیجہ بھی الٹ نکلا ہے۔ غلط فہمی یہاں یہ پیدا کی جا رہی ہے کہ 'لٰکِنْ' سے پہلے ابوّت کے ذکر سے یہ لازم سمجھا گیا ہے کہ 'لٰکِنْ' کے بعد جو بیان آ رہا ہے، وہ بھی ابوّت سے متعلق ہی کسی وہم کو دور کرنے کے لیے آیا ہے، حالاں کہ حرف استدراک 'لٰکِنْ' سے ہر گز یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسے کسی وہم کو دور کرنے کے لیے آئے جو 'لٰکِنْ' سے پہلے لفظاً موجود ہو۔ یہ اس ذہنی وہم کو دور کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو لفظاً

مذکور نہ ہو۔ اس بات کو زبان کے عام استعمال کی مثالوں سے سمجھتے ہیں۔ ایک شخص اپنے دوست سے کہتا ہے:

"میں آپ کے گھر نہیں آسکتا، لیکن آپ کے دفتر آسکتا ہوں۔"

یہاں "لیکن" کے بعد والے بیان سے معلوم ہوا کہ پہلے والے بیان میں یہ وہم تھا کہ اگر میں دوست سے ملنے گھر نہیں جا سکتا تو کیا اس سے ملنے کہیں اور بھی نہیں جا سکتا۔ اس وہم کو "لیکن" کے بعد دور کیا گیا کہ ملنے کے لیے دفتر آ سکتا ہے۔ یہاں لفظوں میں دونوں بار "آنے" کا ذکر آنے سے معاملہ واضح ہوا۔

اب دوسری مثال لیجیے:

"میں کل تم سے ملنے آیا، لیکن تم گھر نہیں تھے۔"

یہاں ملنے آنے سے کوئی ایسا وہم پیدا نہیں ہوا جس کا تدارک "لیکن" کے بعد "تم گھر نہیں تھے" سے کیا گیا ہے۔ یہاں ایک ذہنی وہم پیدا ہوا ہے جس کا ذکر لفظوں میں نہیں ہے، مگر کلام کے محل سے متبادر ہو رہا ہے اور وہ یہ کہ آدمی جب دوست سے ملنے اس کے گھر گیا تو خیال یہ تھا کہ وہ گھر ہو گا، لیکن وہ گھر نہیں تھا۔ یہ "لیکن" کے بعد کا بیان ہے جس سے قاری کو اس وہم کا علم ہوا۔

چنانچہ یہ استدلال کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ آیت ختم نبوت میں حرف 'لٰكِنْ' سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوّت کے ذکر سے یہ لازم آتا ہو کہ 'لٰكِنْ' کے بعد کوئی ایسا وہم ہی دور کیا گیا ہے جس کا تعلق ابوّت سے ہی ہے۔ پھر "رسول" کو

روحانی باپ کے معنی میں بھی لے لیا جائے، یہ لفظاً ممکن نہیں۔ یہ سب زبان و بیان کے مسلمہ قواعد سے بے نیاز ہو کر ہی کیا جا سکتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ ''لیکن''، ''بلکہ'' کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کا ایک مفہوم ''اس کے بر خلاف'' اور دوسرا ''مزید برآں'' ہوتا ہے۔ پہلے مفہوم کے لحاظ سے حرف استدراک اپنے سے پہلے والے بیان کے بر خلاف ایک دوسری بات پیش کرتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ارشاد ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (آل عمران ۳:۶۷)

''ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، بلکہ ایک حنیف مسلم تھا اور وہ اِن مشرکوں میں سے بھی نہیں تھا۔''

''تفسیر صغیر'' میں بھی یہاں 'لٰكِنْ' کا ترجمہ ''بلکہ'' سے کیا گیا ہے:

''نہ تو ابراہیم یہودی تھا نہ نصرانی، بلکہ وہ خدا کی طرف جھکا رہنے والا اور فرماں بردار تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

دوسرے مفہوم کے لحاظ سے ''بلکہ'' اپنے سے پہلے چلے آ رہے مفہوم کی مزید تائید و تاکید کرتا ہے۔ اس کی مثال قرآن مجید ہی سے یہ ہے:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ. (الاعراف ۷:۱۷۹)

''وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''

ختم نبوت سے متعلق آیت مذکورہ میں ہم دکھائیں گے کہ 'لٰكِنْ' یہاں 'بَلْ'،

یعنی ''بلکہ'' کے معنی میں آیا ہے اور معطوف اور معطوف علیہ، دونوں جگہ مذکورہ بالا دونوں مفاہیم میں آیا ہے اور یہ ایسے وہم کو دور کر رہا ہے جو ذہنی ہے، لفظاً موجود نہیں۔ یہ سب آیت زیر بحث کے سیاق و سباق سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

یہ آیت حضرت زید رضی اللہ عنہ، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے، کی مطلقہ سے آپ کے نکاح کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے۔ یہ حکم پہلے نازل ہو چکا تھا کہ منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہیں، جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان کی بیویاں بھی حقیقی بہوئیں نہیں ہیں کہ جن سے نکاح کرنا میں حرام ہو:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ. اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ

''اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے ہیں (کہ ایک ہی وقت میں وہ دو متضاد باتوں کو مانتا رہے)۔ چنانچہ نہ اُس نے تمھاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کر بیٹھتے ہو، تمھاری مائیں بنایا ہے اور نہ تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارا بیٹا بنا دیا ہے۔ یہ سب تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں، مگر اللہ حق کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ تم منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا.(الاحزاب ۳۳: ۴-۵)

کی نسبت سے پکارو۔ یہی اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔ پھر اگر اُن کے باپوں کا تم کو پتا نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے حلیف ہیں۔ تم سے جو غلطی اِس معاملے میں ہوئی ہے، اُس کے لیے تو تم پر کوئی گرفت نہیں، لیکن تمھارے دلوں نے جس بات کا ارادہ کر لیا، اُس پر ضرور گرفت ہے۔ اور اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ سے منہ بولے باپ کا نکاح نہ کرنا عرب کی ایک سماجی رسم، بلکہ بدعت تھی، جو دین ابراہیمی میں لوگوں نے داخل کر دی تھی۔ یہ بدعت محض حکم دینے سے ختم ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ سماجی اور ثقافتی عادات اتنی آسانی سے نہیں بدلتیں۔ مثلاً برصغیر پاک و ہند میں مسلم بیوہ کے نکاح ثانی کا رواج آج تک ایک مسئلہ ہے، حالاں کہ اس پر نہ صرف قرآن مجید کی نص موجود ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل بھی تمام امت کے سامنے ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہوا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ سے منہ بولے باپ کے نکاح

کو درست نہ سمجھنے کی اس خود ساختہ رسم کو ختم کرنے کے لیے حکم نازل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے عملی طور پر بھی اسے ختم کر کے دکھا دیا جائے۔

آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کی نزاکت اور سماجی رد عمل کا یہ عالم تھا کہ قرآن مجید میں پہلے سے اس بیان کے باوجود کہ منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نکاح پر لوگوں کی طرف سے باتیں بنانے کی پریشانی لاحق تھی۔ اس پر اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ آپؐ سے پہلے بھی ہم رسولوں سے ایسی خدمات لے چکے ہیں۔ آپؐ کو بھی لوگوں کی باتوں کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اللہ ہی سے ڈرنا چاہیے جیسے گذشتہ رسول صرف اللہ سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کا اعتراض بے بنیاد ہے۔ آپؐ زید رضی اللہ عنہ سمیت کسی مرد کے حقیقی باپ نہیں۔ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور رسولوں سے ایسے کام لیے ہی جاتے ہیں۔ چونکہ آپؐ آخری نبی ہیں، اس لیے یہ کام آپؐ ہی سے کرانا پیش نظر ہے۔

اس مفہوم کو آیت ختم نبوت کے نظم کلام میں دیکھیے:

وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ
عَلَیۡہِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِکۡ
عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ
وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ
مُبۡدِیۡہِ وَتَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰہُ

”(انھوں نے یہ فتنہ اُس وقت
اٹھایا)، جب تم اُس شخص سے بار بار
کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام
کیا اور تم نے بھی انعام کیا کہ اپنی
بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى
زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ
لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ
اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ
اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا. مَا كَانَ عَلَى
النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ
اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِيْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ
اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا. اِلَّذِيْنَ
يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ
وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا. مَا كَانَ
مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ
النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
شَیْءٍ عَلِيْمًا.

(الاحزاب ۳۳: ۳۷-۴۰)

اللہ سے ڈرو، اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالاں کہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔ پھر جب زید نے اپنا رشتہ بیوی سے منقطع کر لیا تو ہم نے اُس کو تم سے بیاہ دیا تاکہ مسلمانوں پر اُن کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے، جب وہ اپنا رشتہ اُن سے منقطع کر لیں۔ اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہنا تھا۔ نبی کے لیے جو بات اللہ نے ٹھیرا دی ہو، اُس میں اُس پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ (اُس کے پیغمبر) جو پہلے گزرے ہیں، اُن کے معاملے میں بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے وہ جو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے اور اُسی
سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی
سے نہیں ڈرتے تھے۔ (لہٰذا تم
بھی اُسی سے ڈرو، اے پیغمبر اور
مطمئن رہو کہ) حساب کے لیے اللہ
کافی ہے (حقیقت یہ ہے کہ) محمد
تمھارے مردوں میں سے کسی کے
باپ نہیں ہیں، (اس لیے تمھارا
اعتراض محض بے بنیاد ہے)، بلکہ
(اس کے برخلاف) اللہ کے رسول
اور (مزید برآں) خاتم النبیین ہیں۔
(اس لیے یہ ذمہ داری اُنھی کو پوری
کرنی تھی)، اور اللہ ہر چیز سے باخبر
ہے۔“

یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آیت زیر بحث میں حرف استدراک 'لٰکِنْ' کے ذریعے سے ابوّت سے پیدا ہونے والے کسی وہم کو دور نہیں کیا گیا، بلکہ یہ وہم دور کیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید سمیت کسی مرد کے باپ نہیں ہیں کہ ان پر اپنی بہو

سے نکاح کا طعن کیا جائے، نہ صرف یہ کہ کسی مرد کے باپ نہیں، اس کے برخلاف ان پر اللہ کا رسول ہونے کی ذمہ داری بھی عائد ہے، اور اس حیثیت سے ایسی اصلاحات کرنا رسولوں کی سنت رہی ہے، مزید برآں یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخری نبی ہیں، اس لیے اس رسم باطل کی جڑ آپ ہی کے ہاتھوں سے کٹنا ضروری ہے۔ یعنی 'لٰکِنْ' یہاں 'بَلْ'، یعنی ''بلکہ''، یعنی ''اس کے برخلاف''، اور پھر ''مزید برآں'' کے مفہوم میں ہے۔ یہ مفہوم آیت زیر بحث کے سیاق وسباق سے واضح ہو جاتا ہے اور خارج سے اس میں کچھ داخل نہیں کرنا پڑتا۔

''خاتَم'' کا مفہوم

''خاتَم'' کا لفظ مہر بند، خاتمیت، اور آخری کے معانی میں مستعمل ہے۔ قرآن مجید میں اس کے تمام مشتقات مہر بندی اور خاتمیت پر دلالت کرتے ہیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ. (البقرہ ۲:۷)	''اُن کے دلوں اور کانوں پر اب اللہ نے (اپنے قانون کے مطابق) مہر لگا دی ہے۔''

یعنی، ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اب حق بات ان کے دل کے اندر نہیں جا پائے گی۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ	''آج ہم اِن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور اِن کے ہاتھ ہمیں

اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ.	بتائیں گے اور اِن کے پاؤں شہادت
(یٰس ۳۶: ۶۵)	دیں گے جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں۔''

یعنی، منہ پر مہر لگ جانے کے بعد ان کا منہ بند ہو جائے گا کوئی بات وہ منہ سے نکال نہ سکیں گے۔

کلام عرب میں 'خاتم البرید'(ڈاک کی مہر)، 'خاتم الکتاب'(کتاب پر مہر) جیسی تراکیب مستعمل ہیں جو یہی مفہوم دیتی ہیں کہ مہر لگنے کے بعد اس میں مزید کسی چیز کے دخول کی گنجایش نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ 'خاتَم' کے لفظ میں زینت، افضلیت یا کمال درجہ کے اختتام کا اضافی معنی پیدا کرنے کی کوئی گنجایش نہیں۔ نیز یہاں مہر سے نقش پیدا کرنے کے مفہوم کے استعمال کا بھی کوئی موقع نہیں۔

تیسرے یہ کہ 'خاتَم' کا معنی انگوٹھی یا مہر ہے، انگوٹھی کو بھی مہر کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے، اس لیے یہ ایک ہی لفظ دونوں معنوں کے لیے مستعمل ہو گیا۔ 'خاتَم' کا اصل مطلب مہر ہے۔ اس میں زینت کا مفہوم آپ سے آپ شامل نہیں، جب تک کہ زینت کے لیے الگ لفظ اس کے ساتھ نہ لایا جائے جو 'خاتَم' کو موصوف قرار دے کر اس کی صفت بنے۔ جیسے کتاب کہہ دینے سے کوئی کتاب دل چسپ کتاب نہیں بن جاتی، جب تک اس کے دل چسپ ہونے کا مفہوم دینے

والا لفظ بطور صفت ساتھ موجود نہ ہو، اسی طرح محض مہر کہنے سے مہر کی زینت بیان نہیں ہو جاتی جب تک اس کی زینت بیان کرنے کے لیے کوئی دوسرا لفظ ساتھ موجود نہ ہو یا پھر اس کے لیے کوئی واضح قرینہ ہو، جیسے 'خاتم المَلِک'، یعنی بادشاہ کی انگوٹھی، جس کا خوب صورت ہونا محل قیاس میں ہے۔ مہر کے لیے تو زینت کا مفہوم ویسے بھی موزوں نہیں، یہ انگوٹھی کے لیے ہی موزوں ہو سکتا تھا، لیکن سیاق و سباق کے لحاظ سے یہاں انگوٹھی کا مفہوم کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ بشمول احمدی حضرات کے کسی نے بھی 'خاتم' کا مفہوم انگوٹھی نہیں لیا۔ یعنی یہ کہنے کا کوئی محل نہیں کہ یہ رسول، نبیوں کی انگوٹھی ہیں، اور اس کا مزین ہونا بھی بیان میں نہیں آیا، اس لیے بالاتفاق 'خاتَم' سے یہاں 'مہر' کے معنی ہی لیے جا سکتے ہیں جس میں زینت کا مفہوم شامل نہیں۔

چوتھے یہ کہ مہر میں افضیلت کا مفہوم زینت کے مفہوم پر منحصر ہے۔ جب زینت کا مفہوم یہاں مفقود ہے تو افضیلت کا مفہوم بھی موجود نہیں۔

پانچویں یہ کہ 'خاتَم' میں کمال درجہ کے اختتام کا بھی کوئی مفہوم پایا نہیں جاتا۔ یہ مفہوم پیدا کرنے کے لیے جو استدلال کیا جاتا ہے، اس کی حقیقت بھی دیکھ لیجیے:

یہ غلط فہمی 'خاتِم الشعرا' اور 'خاتِم الاولیا' جیسی تراکیب سے پیدا ہوئی ہے۔ استدلال یہ کیا گیا ہے کہ 'خاتِم الشعرا' یا 'خاتِم الاولیا' کا مفہوم آخری شاعر یا آخری

ولی نہیں ہوتا، بلکہ صاحب خطاب کے کمال پر دلالت کا یہ مجازی اسلوب ہے کہ اس جیسا باکمال شاعر یا ولی دوبارہ نہیں آئے گا، لیکن اس سے کم تر درجے کے لوگ آ سکتے ہیں۔ اس استدلال میں غلطی یہ ہوئی ہے کہ یہ ترکیب 'ت' کے کسرہ یعنی زیر کے ساتھ مستعمل ہے، فتحہ یعنی زبر کے ساتھ نہیں۔ یعنی یہ 'خاتِم الشعرا' اور 'خاتِم الاولیا' ہے نہ کہ 'خاتَم الشعرا' اور 'خاتَم الاولیا'۔ کلامِ عرب میں یہ ترکیب کمال درجہ کے اختتام کے مفہوم میں لفظ 'خاتَم' کے ساتھ مستعمل نہیں ہے، جب کہ قرآن نے لفظ 'خاتَم' استعمال کیا ہے۔

میری بساط بھر تلاش و تحقیق کے بعد معلوم یہ ہوا ہے کہ تائے مکسورہ کے ساتھ 'خاتِم الشعراء' جیسی تراکیب جو کمال درجہ کے اختتام پر دلالت کرتی ہوں، زمانۂ جاہلیت کے کلام عرب کے اسالیب میں بھی نہیں پائی گئیں۔ پورے کلام عرب سے فقط ایک ہی شعر خاتم بفتح 'ت' بمعنی اختتام کمال کے مفہوم میں پیش کیا جا سکا ہے اور یہ بھی تیسری صدی ہجری کا ہے:

فُجِعَ القَريضُ بخاتَمِ الشُّعراءِ ...
وغَديرِ رَوْضَتِهَا حَبيبِ الطّائي

یہ شعر حسن بن وہب نے شاعر ابو تمام کے مرثیے کے طور پر کہا۔ ابو تمام کی وفات ۲۲۸ ہجری میں ہوئی۔[۳] قرآن مجید پر کلام عرب سے استشہاد پیش کرنے کا

۳۔ اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، ۲۰۰۳ء، ۲۹۹/۱۴۔

اصول یہ ہے کہ وہ قرآن مجید سے قبل کے کلام میں ہو اور معروف بھی ہو۔ اختتام کمال کے مفہوم میں یہ ترکیب اوّل تو 'خاتم' کی 'ت' کے کسرہ کے ساتھ مستعمل ہے، جب کہ قرآن میں یہ تائے مفتوحہ کے ساتھ آئی ہے، دوسرے یہ کہ یہ ترکیب ایجاد بھی قرآن مجید کے بعد ہوئی ہے۔ حسن بن وہب کے کلام میں یہ تائے مفتوحہ کے ساتھ پائی گئی ہے تو اس میں دو احتمالات ہیں: ایک یہ کہ یہ کاتب کی خطا ہو سکتی ہے، شاعر نے اسے تائے مکسورہ کے ساتھ ہی برتا ہو گا، دوسرے یہ کہ شاعر نے تائے مفتوحہ کے ساتھ اس کا یہ استعمال قرآن مجید سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ مزید یہ کہ تائے مفتوحہ کے ساتھ یہ ترکیب اس مفہوم میں رواج بھی نہیں پا سکی۔ رواج پا بھی جاتی تو بھی قرآن مجید کے بعد کے دور کی ہونے کی بنا پر یہ قرآن پر استشہاد نہیں بن سکتی۔

احمدی حضرات کی طرف سے پورے ذخیرۂ حدیث میں صرف ایک روایت ہے جس میں 'خاتم'، بفتح 'ت'، کو اختتام کمال کے معنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ان کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو 'خاتَم المهاجرين' کہا گیا ہے۔ احمدی حضرات کا استدلال یہ ہے کہ 'خاتَم المهاجرين' کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی اور مہاجر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ الفاظ 'أفضل المهاجرين' کے معنی میں ہی آئے ہیں۔ روایت ملاحظہ کیجیے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى بْنِ شَيْبَةَ الأَنْصَارِيُّ السُّلَمِيُّ، قثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَدْرٍ وَمَعَهُ عَمُّهُ الْعَبَّاسُ، قَالَ لَهُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَوْ أَذِنْتَ لِي فَخَرَجْتُ إِلَى مَكَّةَ فَهَاجَرْتُ مِنْهَا، أَوْ قَالَ: فَأُهَاجِرُ مِنْهَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”يَا عَمِّ، اطْمَئِنَّ، فَإِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِينَ فِي الْهِجْرَةِ، كَمَا أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ فِي النُّبُوَّةِ“.[4]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بدر سے واپس تشریف لائے تو آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، اگر آپ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیں تو میں وہاں سے ہجرت کر کے آؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے چچا، اطمینان رکھیے، آپ خاتم المہاجرین ہیں جیسے میں نبوت میں خاتم النبیین ہوں۔“

سند کے لحاظ سے یہ ایک منفرد اور غریب روایت ہے، یعنی یہ فقط ایک ہی سند

۴۔ احمد بن حنبل، امام، فضائل الصحابۃ، مؤسسۃ الرسالۃ — بیروت، الطبعۃ: الاولیٰ، ۱۹۸۳ء، ۲/۹۴۱۔

سے منقول ہے۔ اس کے راوی اسمٰعیل بن قیس بن سعد بن زید بن ثابت انصاری خزرجی کو محدثین نے ضعیف، منکر الحدیث اور متروک قرار دیا ہے۔[۵] چنانچہ اس روایت سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

سند کی غرابت سے قطع نظر، متن کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ روایت اُس ہجرت کے خاتمے کا اعلان سنا رہی ہے جسے فتح مکہ سے قبل مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا۔ یہ معلوم ہے کہ حضرت عباس فتح مکہ سے کچھ ہی وقت پہلے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ اس کے فوراً بعد ہی مکہ فتح ہو گیا اور لازمی ہجرت کا حکم بھی ختم ہو گیا تھا۔ گویا حضرت عباس حقیقتاً آخری مہاجر تھے، جنھوں نے فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کی تھی۔ چنانچہ اس روایت میں 'خاتم المہاجرین' سے بھی حقیقی اختتام ہی مفہوم ہو رہا ہے، نہ کہ 'افضل المہاجرین' کا مفہوم۔ ویسے بھی یہ بات معقول معلوم نہیں ہوتی کہ وہ لوگ جنھوں نے اسلام کے شروع کے مشکل دور میں اپنی جان و مال کو خطرے میں ڈال کر ہجرت کی، جہاد اور اس کی مشکلات کا کشٹ اٹھایا، ان کی ہجرت سے اس آخری وقت کی ہجرت کو افضل قرار دے دیا جائے، جب کہ حالات مسلمانوں کے حق میں پلٹ چکے تھے۔

'خاتَم' کو افضل کے معنی میں استعمال کرنے کے ضمن میں احمدی حضرات کی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۵۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قَایماز الذھبی (المتوفی: ۷۴۸ھ)، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت—لبنان، الطبعۃ: الاولیٰ ۱۹۶۳ء، ۱/۲۴۵۔

طرف سے صوفیانہ حلقوں میں مشہور ایک اور روایت بھی پیش کی جاتی ہے جس میں حضرت علی بن ابی طالب کو خاتم الاولیا کہا گیا ہے:

أنا خاتم النبيين و أنت، یا علي، خاتم الأولياء.

"میں خاتم النبیین ہوں اور تم، اے علی، خاتم الاولیا ہو۔"

یہ روایت موضوع ہے۔ اس سے کوئی استدلال قابل اعتنا ہی نہیں۔

مرزا صاحب کی طرف سے یہ استدلال بھی پیش کیا گیا کہ آیت ختم نبوت میں خاتَم، یعنی مہر ایسی چیز ہے جو جس چیز پر لگتی ہے، اس پر اپنا نقش پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بھی نبی ہو گا، وہ آپ کی مہر تصدیق سے نبی بنے گا۔ یہ محض نکتہ آفرینی ہے۔ سیاق و سباق میں اس مفہوم کو لینے کی کوئی گنجایش نہیں۔ کسی کلام کو اس کے سیاق و سباق سے کاٹ دینے کے بعد اس میں کوئی بھی مفہوم پیدا کیا جا سکتا ہے، لیکن اس قسم کا استدلال زبان و بیان کے اس مسلمہ اصول کے خلاف ہے کہ کلام اپنے سیاق و سباق ہی میں اپنا مفہوم واضح کرتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا استدلال قابل لحاظ نہیں۔

"خاتم النبیین" کا مطلب

خاتم، یعنی مہر کے دو مفاہیم پیش کیے جا سکتے ہیں: seal، یعنی مہر بند اور stamp۔ اس کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیوں کے سلسلے کے لیے مہر بند ہیں، اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، ہمارے نزدیک سیاق و سباق کے

لحاظ سے یہی مفہوم درست ہے۔ سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے دوسرا معنی یہ لیا جا سکتا ہے کہ محمد ﷺ نبیوں کے تصدیق کرنے والی مہر، یعنی stamp ہیں۔

کلام عرب میں 'خاتم' کا لفظ مہر کے معنی میں مستعمل ہے اور آیت زیر بحث میں یہ مہر، یعنی مہر بند کے علاوہ کسی اور معنی کے لیے موزوں نہیں۔

بر سبیل تنزل یہ مفہوم تسلیم کر بھی لیا جائے کہ مہر نقش کے لیے اور نقش تصدیق کے لیے ہوتا ہے اور جو بھی نبی ہوا یا ہو گا، وہ آپ ﷺ کی تصدیق سے تسلیم کیا جائے گا تو سوال یہ ہے آپؐ کے بعد آنے والا کوئی نبی اپنی نبوت کی تصدیق کی سند آپؐ سے کیسے لا کر دکھائے گا؟ کیا آپؐ نے اس کا نام پتہ بتایا ہے؟

یہ کہنا کہ وہ شخص سیرت و کردار میں محمد رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہو گا اور گویا آپؐ کا نقش ثانی ہو گا، ایک بڑا اور موضوعی دعویٰ ہے۔ جہاں تک مرزا صاحب کی سیرت و کردار کا تعلق ہے تو مناظرہ اور مکالمہ کے وقت ان کے زبان و بیان کی غیر شایستگی، مناظرانہ اسلوب کلام، کسی اتمام حجت کے بنا ہی اپنے مخالفین پر لعنتیں، بد دعائیں، بلکہ بازاری گالیاں، محمدی بیگم کے ساتھ اپنے نکاح کی کوشش میں مخالفت کرنے پر اپنے بیٹے کو عاق کرنے، اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے، اور دباؤ ڈلوانے کے لیے دوسرے بیٹے کی بہو کو طلاق دلوانے جیسے افعال و اخلاق کسی طرح انھیں عام اخلاقیات سے بھی بلند نہیں دکھاتے، چہ جائیکہ ان کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کے سیرت و کردار کا پر تو ہونے کا دعویٰ کیا جائے!

خبر، جسے عربی میں 'نبأ' کہتے ہیں، یہ جس پر خدا کی طرف سے بھی آئے، اسے لفظی اور اصطلاحی، دونوں اعتبار سے نبی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں یہ لفظ فقط اصطلاحی معنی میں آیا ہے، یعنی وہ شخص جسے خدا اپنی وحی ہدایت پہنچانے کے لیے چن لے، جس کے ذریعے سے انھیں دین اور اخلاق سے متعلق ہدایت دینا مقصود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شہد کی مکھی پر آنے والی فطری وحی[6] یا شیطان کے چیلوں پر شیطانوں کی طرف سے وحی[7] ملنے کی بنا پر شہد کی مکھی یا شیطان کے چیلوں کو نبی اور اس عمل کو نبوت نہیں کہا گیا۔

قرآن مجید میں ''نبوت'' کا لفظ بھی اپنے لغوی معنی، یعنی کوئی بھی خبر، میں استعمال نہیں کیا گیا، یہ خاص مخاطبۂ الٰہی کے لیے استعمال ہوا ہے جو صرف انبیا کے ساتھ پیش آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ام موسیٰ اور مریم علیہما السلام کے ساتھ مخاطبت کے باوجود انھیں نبی نہیں کہا گیا۔[8]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۶۔ 'وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ'، ''(تم دیکھتے نہیں ہو کہ)، تمھارے پروردگار نے شہد کی مکھی پر وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں بنا لیتے ہیں، اُن میں چھتے بنا'' (النحل ۱۶: ۶۸)۔

۷۔ 'وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـِٕہِمۡ لِیُجَادِلُوۡکُمۡ'، ''اور متنبہ رہو کہ شیاطین اپنے ایجنٹوں کو القا کر رہے ہیں کہ وہ (اِس معاملے میں بھی) تم سے جھگڑیں'' (الانعام ۶: ۱۲۱)۔

۸۔ یہاں یہ نکتہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے کہ غیر انبیا کے ساتھ مخاطبت کسی نبی سے متعلق کسی

نبوت کی کوئی اقسام نہیں ہیں۔ نبوت بس ایک ہی قسم ہے۔ تشریعی اور غیر تشریعی کی تقسیم بھی خود ساختہ ہے۔ ہر نبی تابع شریعت نبی ہی ہوتا ہے۔ صاحب شریعت نبی بھی خود پر نازل کردہ شریعت کا پابند ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو شریعت نازل کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا تھا۔ چنانچہ اب مزید کسی شریعت اور صاحب شریعت کی آمد کا سوال ہی نہیں رہا تھا۔اس کے باوجود بھی اگر ختم نبوت کا اعلان کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تو اس سے لازمی طور پر مراد بغیر نئی شریعت کے تابع شریعت انبیا کے سلسلے کا اختتام ہے، کیونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت موجود تھی کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کے بعد شریعت کے ہوتے ہوئے بھی انبیا کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ ختم نبوت کے اعلان سے اس امکان کا خاتمہ مقصود ہے کہ شریعت کی موجودگی میں اب مزید انبیا نہیں آئیں گے۔

ختم نبوت، یعنی مخاطبۂ الٰہی کے اختتام کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی وضاحت سے درج ذیل روایت میں فرمایا ہے:

ضرورت کے پیش آجانے کی وجہ ہی سے کی گئی اور ضرورت پوری ہو جانے کے بعد نہیں کی گئی۔اس سے غیر نبی کے لیے مخاطبۂ الٰہی کا امکان سمجھ لینا غلط ہے۔قرآن مجید اور بائیبل میں کہیں بھی کسی غیر نبی سے خدا کی مستقل مخاطبت کی ایک بھی مثال موجود نہیں۔خدا جب بھی مخاطبت کرتا ہے، نبی سے کرتا ہے جسے اس نے منصب نبوت پر فائز کیا ہوتا ہے اور اسی نبی کی وجہ سے ہی کوئی ضرورت پیش آجانے پر کسی غیر نبی سے وقتی مخاطبت کی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لم يبق من النبوة إلا المبشرات. قالوا: وما المبشرات؟ قال: الرؤيا الصالحة.[9]

''نبوت میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی، صرف بشارت دینے والی باتیں رہ گئی ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ بشارت دینے والی باتیں کیا ہیں؟ فرمایا: اچھا خواب۔''

رویا کا اطلاق حالت نیند میں پیش آنے والے قلبی احوال پر ہوتا ہے۔ اسے حالت بیداری پر لاگو منطبق نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی قرینہ ہی اس کی طرف اشارہ کرے۔ جیسے دن میں خواب دیکھنا۔ قرینہ نہ ہو تو اسے حالت نیند پر بیان ہی سمجھا جائے گا۔ یہ زبان کا مسلمہ اصول ہے کہ لفظ کا استعمال جس معنی میں معروف ہو، اس سے پھیرنے کے لیے قرینہ لفظ کے ساتھ ہی موجود ہونا چاہیے۔ حدیث میں ایسا کوئی قرینہ نہیں، اس لیے اس سے نیند کے احوال ہی مراد ہیں۔

سچا خواب نبوت ہی کا خاصہ نہیں، یہ ہمیشہ سے غیر انبیا کو بھی آتے رہے ہیں۔ قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں مشرک بادشاہ اور غیر مسلم قیدیوں کو سچے خواب آنا مذکور ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر، جب کہ آسمانی خبروں کے سلسلے کے خاتمے کا اعلان فرما رہے تھے، ساتھ ہی یہ بھی واضح فرما دیا کہ سچے خوابوں کا سلسلہ جو پہلے سے چلا آ رہا تھا، وہ بہر حال جاری رہے گا۔ اس کا نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔

۹۔ بخاری، رقم ۶۹۹۰۔

یہ خواب کسی کو نبی نہیں بنا سکتے، ان کی حد یہی ہے اور نہ یہ کسی کو کسی نئے نبی کی نبوت پر ایمان لانے کی ترغیب دے سکتے ہیں، کیونکہ وہ حقیقت میں موجود ہی نہیں رہی۔ رحمانی خواب اور شیطانی یا نفسانی خواب میں بھی حد امتیاز اور فیصلہ کن اتھارٹی خدا کے کلام کا بتایا ہوا یہی معیار ہے۔ جو خواب وحی کی تصریحات کے خلاف ہو، وہ سچا ہے اور نہ خدا کی طرف سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں لفظ ''خاتم'' میں زینت، افضیلت، کمال درجہ کے اختتام اور نقش پیدا کرنا کے معانی نہیں پائے جاتے۔ اس کا ایک ہی مفہوم متعین طور پر ثابت ہوتا ہے اور وہ ہے: خاتمیت۔ لہٰذا ثابت ہوا ہے کہ سورۂ احزاب کی آیت ختم نبوت، خاتمیت نبوت کے مفہوم میں قطعی اور محکم آیت ہے۔ ختم نبوت قرآن مجید سے قبل طے ہو چکا تھا، جسے قرآن مجید نے قطعی طور پر موکد کر دیا۔

اس بنیاد کو محکم کرنے کے بعد تسلسل نبوت سے متعلق کوئی استدلال درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم، چونکہ دیگر استدلالات بھی کیے گئے ہیں اور احمدیت میں ان کو بھی خصوصی اہمیت دی جاتی ہے، اس لیے ہم ان کا تنقیدی جائزہ بھی علم و عقل اور زبان و بیان کے مسلمات کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔

سورۂ جمعہ (۶۲) کی آیت ۲ اور ۳

مرزا غلام احمد سورۂ جمعہ (۶۲) کی آیت ۲ اور ۳ کے تحت اپنے دعویٰ نبوت پر

استدلال کرتے ہیں۔ یہ استدلال ان کے دعویٰ نبوت کا گویا مدار المہام ہے۔ وہ بڑے اعتماد سے اسے اپنی کتب اور بیانات میں جگہ جگہ پیش کرتے ہیں۔ احمدیت کے تعارفی اور دعوتی لٹریچر میں اسے ایک بنیادی استدلال کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ ''روحانی خزائن'' کی ہر جلد کے دیباچے میں اسے رقم کیا گیا ہے۔ اسی استدلال پر مہدی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مرتب کیا جاتا ہے۔ گویا مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ نبوت کی ساری عمارت اس استدلال پر قائم ہے۔ استدلال ملاحظہ کیجیے:

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (الجمعہ ۶۲: ۲-۳)

ان آیات کا ترجمہ احمدی حضرات کی نمایندہ تفسیر، ''تفسیر صغیر'' میں یوں کیا گیا ہے۔ (ترجمے کے خط کشیدہ الفاظ پر نظر رہے):

''وہی خدا ہے، جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف اسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا بھیجا (جو باوجود ان پڑھ ہونے کے) ان کو خدا کے احکام سناتا ہے، اور ان کو پاک کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے۔ اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس کو بھیجے گا

جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

اس آیت کی تفسیر بخاری (رقم ۴۸۹۷) کی ایک روایت سے یوں کی جاتی ہے:

”اس آیت میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آخرین کون ہیں؟ تو آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: 'لو كان الإيمان معلقا بالثريا لناله رجل او رجال من فارس' (بخاری) یعنی اگر ایک وقت ایمان ثریا تک بھی اڑ گیا تو اہل فارس کی نسل سے ایک اور ایک سے زیادہ لوگ اسے واپس لے آئیں گے۔ اس میں مہدی معہود کی خبر ہے۔“[10]

مرزا صاحب کے مطابق اس پیشین گوئی کے مصداق خود مرزا صاحب ہیں، جب کہ خود ان کے بقول وہ مغل خاندان سے تھے، فارس سے ان کا کوئی تعلق نہیں، البتہ انھیں الہام سے یہ بتایا گیا تھا کہ فارسی النسل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”میرے پاس فارسی ہونے کے لیے بجز الہام الٰہی کے اور کچھ ثبوت نہیں۔“[11]

علم کے میدان میں مرزا صاحب کا یہ دعویٰ یہیں ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ مرزا صاحب کا فارسی الاصل نہ ہونا مسلم تھا۔ نسب بدلنا ممکن تھا اور نہ ہی مناسب تھا۔

۱۰۔ مرزا بشیر، تفسیر صغیر، ۷۴۵۔

۱۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی، ”تحفہ گولڑویہ“، روحانی خزائن، نظارت اشاعت ربوہ، جھنگ، ۱۱۶/۱۷۔

چنانچہ مذکورہ استدلال کسی درجے میں بھی درست ہوتا تب بھی وہ اس کے مصداق نہیں بنتے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ استدلال اپنے ہر مقدمے میں بے بنیاد ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

استدلال یہ ہے کہ آیت کے بموجب دوبارہ بعثت محمدی ہوگی، مگر روحانی صورت میں ہوگی۔ یہ روحانی بعثت مرزا غلام احمد صاحب کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ مرزا صاحب کی بدولت ایمان و اسلام کی تجدید ہوئی، نبی اور صحابیت کے درجات دوبارہ لوگوں کو ملے۔ نیز یہ روحانی بعثت محمدی مستقبل میں بھی ہوتی رہے گی تاکہ بعد کے ادوار کے لوگ بھی بموجب آیت بالا اُس درجے میں شامل ہو سکیں جو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مرزا صاحب نے ان آیات سے دو استدلالات کیے ہیں: ایک یہ کہ ایک دوسری بعثت محمدی ہوگی (جو مرزا صاحب کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی) اور دوسرے یہ کہ 'منھم' میں ھم کی ضمیر میں عجمی اقوام بھی شامل ہیں تاکہ یہ بعثت محمدی ان کے افراد میں بھی ہو سکے اور وہ خود بھی اس میں شامل ہیں۔ لکھتے ہیں:

"...آیت 'و آخرین منھم لما یلحقوا بھم' اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گویا آں حضرت ﷺ کی حیات اور ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں 'منھم' کا لفظ وہ ظاہر کر رہا تھا کہ ایک

شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لیے موزوں ہے، مبعوث ہو گا جو آں حضرت کے رنگ میں ہو گا اور اس کے دوست مخلص صحابہ کے رنگ میں ہوں گے۔"[12]

بعض مفسرین نے 'وَ آخَرِیْنَ' کا عطف 'یُعَلِّمُهُمْ' پر مانا ہے، جس سے مفہوم یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ان میں سے ان دوسروں کو بھی رسول کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ مرزا غلام احمد نے اپنے دعویٰ نبوت کی تائید میں یہ دوسرا مفہوم بھی پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"خدا وہ ہے جس نے امیوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے۔ اگرچہ وہ پہلے اس سے صریح گم راہ تھے اور ایسا ہی وہ رسول جو ان کی تربیت کر رہا ہے۔ ایک دوسرے گروہ کی بھی تربیت کرے گا جو انھی میں سے ہو جاویں گے...۔"

"گویا تمام آیت معہ اپنے الفاظ مقدرہ کے یوں ہے: 'هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة ویعلم آخرین منهم...' یعنی ہمارے خالص اور قابل بندے بجز صحابہؓ کے اور بھی ہیں جن کا گروہ کثیر آخری زمانہ میں پیدا ہو گا۔ اور جیسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کی تربیت فرمائی۔ ایسا ہی آں حضرت

۱۲۔ ایضاً، ۲۶۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ﷺ اس گروہ کی بھی باطنی طور پر تربیت فرمائیں گے۔‘‘[13]

اور یہ دوسرے آں حضرت مرزا صاحب تھے جنھوں نے اپنے صحابہ کی تربیت فرمائی۔

یہ استدلال، در حقیقت، مسلم تفسیری روایات سے اٹھایا گیا ہے۔ مفسرین کا ایک طبقہ تو 'اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ' سے عرب کے امیین ہی مراد لیتا ہے، لیکن ایک دوسرا طبقہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ آیت کے مصداق میں تاقیامت عجمی اقوام بھی شامل ہیں[14]۔ مرزا صاحب نے اسی دوسرے مفہوم کو اختیار کر کے اس پر اپنے استدلال کی بنا رکھی ہے۔

'اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ' میں عجمی اقوام کی شمولیت کے موقف پر نقد

زبان و بیان کے اصولوں کی رو سے غور کیجیے تو آیت میں 'اٰخَرِيْنَ' (دوسرے) کے بعد 'مِنْهُمْ' (ان میں سے) میں 'هُمْ' کی ضمیر 'اُمِّيّٖنَ' کی طرف راجع ہے۔ 'أميين' عرب کا مخصوص لقب ہے۔ آیت میں صاف طور پر کہا جا رہا ہے کہ وہ (دوسرے) بھی 'امیین' میں سے ہی ہوں گے جو (لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ) ابھی تک

۱۳۔ مرزا غلام احمد قادیانی، ’’آئینہ کمالات اسلام‘‘، روحانی خزائن، نظارت اشاعت ربوہ، جھنگ، ۵/ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔

۱۴۔ دیکھیے مثلاً ’’زاد المسیر‘‘ کا تفسیری نوٹ، زاد المسیر فی علم التفسیر، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی: ۵۹۷ھ)، دار الکتاب العربی — بیروت، الطبعة: الاولی - ۱۴۲۲ھ، ۲۸۱/۴۔

ایمان لا کر مومنین کی جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ بات اتنی واضح ہے کہ یہاں غیر عرب، عجمی اقوام مراد لینے کی کوئی گنجایش کسی طرح نہیں نکلتی۔ یہاں لفظ 'اُمِّیّٖنَ' مذکور ہوا ہے، 'مسلمین' یا 'مومنین' کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ بعد والے ایمان لا کر مسلمین اور مومنین تو کہلائیں گے، لیکن انھیں 'أمیین' نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ عجمی اقوام یہاں کسی طرح بھی مراد نہیں لی جا سکتیں۔

پھر یہ دیکھیے کہ 'اٰخَرِیْنَ' سے پہلے واؤ عاطفہ ہے۔ عطف کے بعد 'بَعَثَ' کا فعل ماضی ہی معطوف ہوا ہے، یعنی 'بعث محمدًا في آخرين منهم، أي من أميين'۔ چنانچہ اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان دوسرے امیوں میں بھی رسول بنا کر بھیجا، نہ کہ مستقبل میں بھیجے گا۔ لیکن ''تفسیر صغیر'' کے ترجمے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے عطف کے بعد جب دوسری بار 'بَعَثَ' کا ترجمہ کیا تو اسے ماضی، (یعنی رسول بنا کر بھیجا) کے بجائے مضارع، (یعنی رسول بنا کر بھیجے گا) کر دیا ہے۔ مرزا صاحب نے بھی یہی مفہوم مراد لیا ہے، ''ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لیے موزوں ہے، مبعوث ہو گا جو آں حضرت کے رنگ میں ہو گا''۔ عطف کے بعد فعل ماضی کو فعل مضارع میں تبدیل کرنا زبان و بیان کے قواعد کی رو سے صراحتاً غلط ہے۔

تیسری اہم بات یہ کہ یہاں 'بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ'' (ان امیوں میں رسول بھیجا) آیا ہے، 'بعث إلى الأميين أو الى الناس' (ان امیوں کی طرف یا

لوگوں کی طرف رسول بھیجا) نہیں آیا۔ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت جزیرۂ عرب کے امیوں میں ہوئی، لیکن آپ ﷺ کی بعثت عامہ تمام انسانیت کی طرف ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جب یہ کہنے کا موقع آیا کہ آپ کی بعثت تمام لوگوں کی طرف ہے تو 'اِلٰی' (کی طرف) استعمال کیا گیا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا. (الاعراف ۷:۱۵۸)	"کہہ دو، (اے پیغمبر کہ) لوگو، میں تم سب کی طرف اُس خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔"

لیکن آیت زیر بحث میں ایسا نہیں کہا گیا، یہاں یہ کہا گیا ہے کہ آپ جزیرہ نمائے عرب کے امیوں میں مبعوث ہوئے ہیں۔ چنانچہ 'وَاٰخَرِیْنَ' کے بعد 'بَعَثَ فِیْ' ہی معطوف ہوا ہے، جو صاف بتا رہا ہے کہ ان دوسرے غیر مومن امیوں ہی میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے، جو ایمان لا کر مومن امیوں میں ابھی شامل نہیں ہوئے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت زیر بحث میں کسی طور پر بھی مستقبل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی نئی بعثت کی بات نہیں ہوئی۔ 'بَعَثَ' کا فعل ماضی ایسے کسی معنی کو لینے سے قطعی طور پر مانع ہے۔ امیوں کے علاوہ دوسری کسی قوم میں دوسری بعثت محمدی کا امکان یہاں نہیں پایا جاتا۔

اس وضاحت کے بعد یہ بالکل واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا

یہ استدلال ہر گز کوئی درست علمی بنیاد نہیں رکھتا۔ یہ ایک تفسیری روایت کی بنیاد پر پیش آنے والا مغالطہ ہے جو انھیں لاحق ہوا۔

تفسیری روایت پر تبصرہ

آیت زیر بحث کے مصداق میں عجمی اقوام کی شمولیت کی خبر دینے والی مذکورہ بالا روایت سند کے اعتبار سے بخاری کی صحیح روایت ہے، لیکن دیکھا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اسے کسی طور قبول نہیں کرتے۔

یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ روایت راویوں کے شعوری یا لاشعوری تصرفات سے آزاد نہیں ہوتی۔ چنانچہ سنداً صحیح ہونے کے باوجود وہی روایت قبول کی جا سکتی ہے جس کی اجازت قرآن مجید کے الفاظ دیتے ہوں، یہ اس لیے کہ معیار اور کسوٹی قرآن مجید ہے۔ روایت کی اگر کوئی توجیہ ممکن ہو تو کی جائے گی، ورنہ اسے فہم انسانی خطا کا نتیجہ قرار دے کر رد کرنا ہو گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس روایت کی توجیہ ممکن ہے۔ تفحص سے معلوم ہوا کہ یہ روایت درج بالا تناظر کے علاوہ دیگر دو تناظرات کے ساتھ بھی نقل ہوئی ہے اور یہ دونوں روایات بھی قابل احتجاج ہیں۔ اسی مفہوم کی ایک روایت قرآن مجید کی ایک دوسری آیت کے شان نزول کے طور پر بیان ہوئی ہے، جب کہ اس کا ایک دوسرا متن اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی تعبیر کے تناظر میں پیش کرتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: **﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾** (محمد ٤٧: ٣٨)، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَنْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ إِنْ تَوَلَّيْنَا اسْتُبْدِلُوا بِنَا، ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَنَا؟ فَضَرَبَ عَلَى فَخِذِ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ، ثُمَّ قَالَ: "هَذَا وَقَوْمُهُ لَوْ كَانَ الدِّينُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسٍ". [15]

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ (محمد ۴۷: ۳۸)، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول، یہ کون لوگ ہیں کہ اگر ہم نے روگردانی کی تو وہ ہماری جگہ آ جائیں گے، پھر وہ ہماری طرح نہ ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: یہ اور اس کی قوم؛ دین اگر ثریا کے پاس بھی ہو گا تو فارس کے لوگ اس تک رسائی حاصل کر لیں گے۔" [16]

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

۱۵۔ محمد بن حبان (المتوفی: ۳۵۴ھ)، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۸ء، رقم ۷۱۲۳۔

۱۶۔ علامہ ناصر الدین البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے (سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، رقم ۱۰۱۸)۔

ایک دوسری سند سے یہ بات یوں مروی ہے:

عن ابن عمر: "رأيت غنمًا كثيرة سوداء، دخلت فيها غنم كثيرة بيض"، قالوا: فما أولته يا رسول الله؟ قال: "العجم، يشركونكم في دينكم وأنسابكم". قالوا: العجام يا رسول الله؟ قال: "لو كان الإيمان معلقًا بالثريا لناله رجال من العجم، وأسعدهم به الناس".[17]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے خواب میں سیاہ رنگ کی بہت زیادہ بکریاں دیکھیں، ان میں بڑی تعداد میں سفید رنگ کی بکریاں داخل ہو گئیں۔" صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول، آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عجمی لوگ تمھارے دین اور نسب میں شریک ہوں گے۔" انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول، عجم؟ (یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر ایمان ثریا ستارے کے ساتھ معلق ہوتا تو عجم کے بعض لوگ اس تک بھی

www.javedahmadghamidi.com

۱۷۔ ابو عبد اللہ الحاکم محمد بن عبد اللہ (المتوفی: ۴۰۵ھ)، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، دار الکتب العلمیۃ —بیروت، الطبعۃ: الاولیٰ، ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۰ء، رقم، ۸۱۹۴۔

رسائی حاصل کر لیتے، (ذہن نشین
کر لو کہ) وہ انتہائی سعادت مند
لوگ ہوں گے۔"[18]

تینوں روایات کو سامنے رکھ کر دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصل روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کی روایت ہے۔ پھر کسی وقت آپ نے عجمی اقوام کی امت مسلمہ میں شمولیت کی خبر کو سورۂ محمد (۴۷) کی آیت ۳۸ کے تناظر میں بھی بیان کر دیا، جس کے الفاظ اس روایت کو قبول کرتے ہیں۔ پھر کسی راوی کے وہم سے یہ سورۂ جمعہ (۶۲) کی آیت ۳ کے تناظر میں بیان ہو گئی۔ یوں جو غلط فہمی پیدا ہوئی جو ہماری تفسیری روایت میں بیان ہو گئی اور وہاں سے مرزا صاحب نے اسے بغیر جانچے اختیار کر لیا۔

ان ملاحظات کی روشنی میں سورۂ جمعہ کی متعلقہ آیات کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

"اُسی نے امیوں کے اندر ایک رسول اُنھی میں سے بھیجا ہے جو اُس کی آیتیں اُنھیں سناتا اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے، اور اِس کے لیے اُنھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس سے پہلے یہ لوگ کھلی گم راہی میں تھے۔ اور امیوں میں سے اُن دوسروں میں بھی یہ رسول بھیجا ہے جو (ایمان لا کر)

۱۸۔ علامہ البانی نے اسے حسن بشواہد قرار دیا ہے، یعنی یہ بھی قابل احتجاج ہے (سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، رقم ۱۰۱۸)۔

ابھی اُن میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔ اللہ زبردست اور حکیم ہے۔‘‘

دیکھا جا سکتا ہے کہ سورۂ جمعہ کی زیر بحث آیت اپنے مفہوم میں بالکل بے غبار ہے۔

آیت کے اس اسلوب سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ اُن امیوں میں سے اس وقت تک جو ایمان نہیں لائے تھے، انھیں گویا ترغیب دی گئی کہ تم جس کا انکار کر رہے ہو، وہ تمھیں میں سے ایک شخص ہے جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس نعمت کی قدر کرو۔ تم میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لا چکے ہیں، تم بھی ایمان لا کر ان کے ساتھ اس سعادت میں شامل ہو جاؤ۔

دوسرے یہ کہ آیت میں یہ بشارت بھی ہے کہ ان امیوں میں سے وہ جو ابھی تک ایمان نہیں لائے، وہ بھی ایمان لا کر مومنین کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔

تیسرے یہ کہ مومن امیوں کے لیے اس میں تنبیہ تھی کہ ان میں سے جو ایمان لا چکے ہیں، وہ نہ بھولیں کہ وہ بھی اس سے پہلے گم راہی میں تھے، پھر ایمان سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ ان کی قوم میں سے جو لوگ ابھی تک گم راہی میں ہیں، ان کی گم راہی بھی کسی وقت ختم ہو سکتی ہے، وہ بھی صاحب ایمان ہو سکتے ہیں، اس لیے ان سے مایوسی اور ان کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

یہاں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب اگر واقعی خدا کے نبی

ہوتے تو قرآن مجید سے اپنے دعویٰ نبوت کے بنیادی اور مرکزی استدلال میں ایسی فاش غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔ خدا انھیں ایسی فاش غلطی کرنے ہی نہ دیتا، اور اگر وہ ایسا کر ہی بیٹھے تھے تو انھیں فوراً متنبہ کر دیتا۔ ایک نبی کے ہاں یہ امکان نہیں پایا جاتا کہ وہ کسی دینی معاملے میں خطا کرے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا فہم قرآن ایک عام خطا کار انسانی فہم ہی تھا، نہ کہ خدا سے حاصل ہونے والی وحی سے ان کے پاس کوئی قطعی علم آیا تھا، جس میں غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ انصاف پسند طبائع کے لیے مرزا صاحب کی یہی ایک فاش خطا ان کے دعویٰ نبوت کی حقیقت جاننے کے لیے کفایت کرتی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۸۱

احمدی حضرات کی طرف سے تسلسل نبوت کے اثبات میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ

”یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے
عہد لیا تھا کہ، ”آج ہم نے تمھیں
کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا
ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول
تمھارے پاس اُسی تعلیم کی تصدیق

وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ.
(آل عمران ۳:۸۱)

کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہے، تو تم کو اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی'' یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا، ''کیا تم اِس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟'' اُنھوں نے کہا ''ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔'' اللہ نے فرمایا، ''اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں''۔'' (مودودی)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

احمدی حضرات اس آیت میں مذکور میثاق کو نبیوں سے لیا گیا میثاق قرار دیتے ہیں، جیسا کہ مولانا مودودی کے ترجمے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور پھر درج ذیل سورۂ احزاب کی آیت میں مذکور نبیوں کے میثاق سے اس کا تعلق جوڑتے ہیں اور یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہی میثاق لیا گیا تھا کہ ان کے بعد بھی اگر کوئی رسول آئے تو وہ بھی اس کی تصدیق کریں گے، دوسری آیت یہ ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ص

''اور یاد رکھو، جب ہم نے سب نبیوں سے اُن کا عہد لیا اور تم سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ

وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا. (۳۳:۷)

اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی، اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا۔''

آیت بالا میں ''میثاق النبیین'' سے 'نبیوں سے میثاق' کا مفہوم جو علما کے ایک طبقے نے لیا ہے، ہمارے نزدیک یہ مفہوم لینا درست نہیں۔ آیت کا سیاق و سباق اسے قبول نہیں کرتا۔ ملاحظہ کیجیے:

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ۖ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا. لِّيَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِيۡنَ عَنۡ صِدۡقِهِمۡ ۚ وَاَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا. (الاحزاب ۳۳: ۷-۸)

''اور یاد رکھو، جب ہم نے سب نبیوں سے اُن کا عہد لیا اور تم سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی، اور ہم نے اُن سے نہایت پختہ عہد لیا (کہ ہمارا پیغام بے کم و کاست پہنچا دو)۔ تاکہ اللہ راست بازوں سے اُن کی راست بازی کے بارے میں سوال کرے (اور منکروں اور منافقوں سے اُن کے کفر و نفاق کے بارے میں)، اور منکروں کے لیے تو اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

پہلی بات یہ کہ سورۂ آل عمران کی درج بالا آیت کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں

نہ انبیا۔ آیت کا سیاق و سباق اسے بہت واضح طور پر متعین کرتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ. اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ

”اور اہل کتاب میں وہ لوگ بھی ہیں کہ اگر تم مال و دولت کا ڈھیر اُن کے پاس امانت رکھ دو تو وہ تمھیں ادا کر دیں گے اور اِن میں وہ بھی ہیں کہ اگر تم ایک دینار بھی اُن کی امانت میں دے دو تو جب تک اُن کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ، وہ اُس کو تمھیں ادا نہ کریں گے۔ یہ اِس وجہ سے کہ اُنھوں نے کہہ رکھا ہے کہ اِن امیوں کے معاملے میں ہم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) وہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ ہاں، کیوں نہیں؟ جو اُس کے عہد کو پورا کرے اور پرہیز گار رہے، (وہ اُسے محبوب ہے)، اِس لیے کہ اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔ (اِس کے

www.javedahmadghamidi.com

مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ

بر خلاف) جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہیں، اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور اللہ قیامت کے دن نہ اُن سے بات کرے گا، نہ اُن کی طرف نگاہِ التفات سے دیکھے گا اور نہ اُنھیں (گناہوں سے) پاک کرے گا، بلکہ وہاں اُن کے لیے ایک دردناک سزا ہے۔ اور اِن میں وہ لوگ بھی ہیں کہ اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو اِس طرح توڑتے مروڑتے ہیں کہ تم سمجھو کہ (جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں)، وہ کتاب ہی کی عبارت ہے، دراں حالیکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، دراں حالیکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا، اور (اِس طرح) جانتے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ
اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ
فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ
الشّٰهِدِيْنَ. فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.
اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ
اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ.
قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى
وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ؗ وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ. وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ
الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ
مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ. كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ

بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔
(پھر یہی نہیں، وہ اللہ کے پیغمبر پر
بھی جھوٹ باندھتے ہیں اور نہیں
سوچتے کہ) کسی انسان کی یہ شان
نہیں ہے کہ اللہ اُس کو اپنی کتاب
دے اور (اُس کے مطابق) فیصلہ
کرنے کی صلاحیت اور نبوت عطا
فرمائے، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے
کہ اللہ کے بجاے تم میرے بندے
بن جاؤ۔ (نہیں)، بلکہ (وہ تو یہی
کہے گا کہ لوگو)، اللہ والے بنو، اِس
لیے کہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے اور
پڑھاتے ہو۔ اور نہ وہ تم سے یہ کہے
گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنا رب
بنالو۔ تمھارے مسلمان ہو چکنے کے
بعد کیا وہ تمھیں کفر اختیار کر لینے
کی ترغیب دے گا؟ اور (اِنھیں یاد
دلاؤ)، جب اللہ نے نبیوں کے

www.javedahmadghamidi.com

قَوۡمًا کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ وَشَہِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّجَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ.

(۳:۷۵-۸۶)

بارے میں (اِن سے) عہد لیا کہ میں نے جو شریعت اور حکمت تمھیں عطا فرمائی ہے، پھر تمھارے پاس کوئی رسول اُس کی تصدیق کرتے ہوئے آئے جو تمھارے پاس موجود ہے تو تم اُس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اُس کی مدد کرو گے۔ (اِس کے بعد) پوچھا: کیا تم نے اقرار کیا اور اِس پر میرے عہد کی ذمہ داری اٹھا لی ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اقرار کیا تو فرمایا کہ پھر گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ (فرمایا کہ) پھر اِس کے بعد جو (اِس عہد سے) پھریں گے تو وہی نافرمان ہیں۔ تو کیا یہ لوگ (اب) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہیں، دراں حالیکہ زمین اور آسمانوں میں طوعاً و کرہاً،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سب اُسی کے فرماں بردار ہیں اور
اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔
اِن سے کہہ دو کہ ہم نے اللہ کو مانا
ہے اور اُس چیز کو مانا ہے جو ہم پر
نازل کی گئی اور جو ابراہیم، اسمٰعیل،
اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد پر
نازل کی گئی، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ
اور دوسرے سب نبیوں کو اُن کے
پروردگار کی طرف سے دی گئی۔ ہم
اِن میں سے کسی کے درمیان کوئی
فرق نہیں کرتے۔ (یہ سب اللہ
کے پیغمبر ہیں) اور ہم اُسی کے
فرماں بردار ہیں۔ (یہی اسلام ہے)،
اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین
اختیار کرنا چاہے گا تو اُس سے وہ
ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور قیامت
میں وہ نامرادوں میں سے ہو گا۔
(تم اِن کی ہدایت چاہتے ہو)؟ اللہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اُن لوگوں کو ہدایت کس طرح دے
گا جو ماننے کے بعد منکر ہو گئے،
دراں حالیکہ وہ اِس بات کے گواہ
ہیں کہ یہ رسول سچے ہیں اور (اِن
کی سچائی پر گواہی کے لیے) اُن کے
پاس کھلی ہوئی نشانیاں بھی آچکی ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ اللہ اِس طرح کے
ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت میں ڈانٹ کے سخت لہجے میں کہا جارہا ہے کہ اگر انھوں نے اس عہد کو کہ وہ ہر آنے والے رسول پر ایمان لائیں گے، پورا نہ کیا تو وہ فاسق کہلائیں گے، نیز یہ بھی کہا گیا کہ کیا وہ خدا کے دین کو چھوڑ کر نیا دین بنا لینا چاہتے ہیں؟ ڈانٹ کا یہ انداز بنی اسرائیل کے لیے ہی موزوں ہو سکتا ہے، نہ کہ انبیا کے لیے۔ اس پیرا کی آخری آیت سے معاملہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے جہاں بنی اسرائیل کی طرف سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے انکار کی صورت میں اس میثاق اور عہد کو توڑنے کی وجہ سے اسی عذاب الٰہی کا مژدہ ان کو سنایا گیا ہے:

''اللہ اُن لوگوں کو ہدایت کس طرح دے گا جو ماننے کے بعد منکر ہو گئے، دراں حالیکہ وہ اِس بات کے گواہ ہیں کہ یہ رسول سچے ہیں اور (اِن کی سچائی پر گواہی کے لیے) اُن کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں بھی آچکی ہیں۔ حقیقت یہ ہے

کہ اللہ اِس طرح کے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

سورۂ احزاب کی مذکورہ بالا آیت میں انبیا کے میثاق کا ذکر ہے اور اس کے نتیجے میں کہا گیا ہے کہ ’’تاکہ اللہ راست بازوں سے اُن کی راست بازی کے بارے میں سوال کرے‘‘، یعنی اس میثاق کا یہ نتیجہ نکلنا چاہیے۔ یہ نتیجہ تب ہی نکل سکتا ہے جب خدا کے پیغام اور ہدایت کا ابلاغ، بلکہ اتمام حجت ہو جائے۔ اس کی وضاحت سورۂ مائدہ کے ایک مقام سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ آپ کے بعد آپ کے پیروکاروں نے جو غلط عقائد بنا لیے تھے، کیا آپ نے انھیں ایسا کرنے کا کہا تھا؟ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ انھوں نے تو توحید کے درست پیغام کا ابلاغ ہی کیا تھا۔ ان کے رخصت ہو جانے بعد کیا ہوا، اس کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اپنے عقیدے میں جو دیانت دار تھے، سچے تھے، ان کو ان کی سچائی کا صلہ بہرحال ملے گا۔ آیات ملاحظہ کیجیے:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

’’اور جب (اِنھیں یاد دلا کر) اللہ پوچھے گا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا تم مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو؟ وہ عرض کرے گا: سبحان اللہ، یہ کس طرح روا تھا کہ میں وہ بات

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ. اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ. قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. (المائدہ ۵:۱۱۶-۱۱۹)

کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کے علم میں ہوتی، (اِس لیے کہ) آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور آپ کے دل کی باتیں میں نہیں جانتا۔ تمام چھپی ہوئی باتوں کے جاننے والے تو آپ ہی ہیں۔ میں نے تو اُن سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی۔ میں اُن پر نگران رہا، جب تک میں اُن کے درمیان تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے وفات دی تو اُس کے بعد آپ ہی اُن کے نگران رہے ہیں اور آپ ہر چیز پر گواہ ہیں۔ اب اگر آپ اُنھیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آپ ہی زبردست ہیں، بڑی حکمت
والے ہیں۔ اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن
ہے جس میں سچوں کی سچائی اُن کے
کام آئے گی۔ اُن کے لیے باغ ہوں
گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں،
وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے
راضی ہوئے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔"

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سورۂ احزاب کی آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھا جائے گا اور سورۂ مائدہ کے اس بیان میں ذکر ہے کہ روز قیامت سچوں کو ان کی سچائی کی وجہ سے صلہ ملے گا، چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ مواخذہ اتمام حجت کی وجہ سے پیش آئے گا۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں 'مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ' کا ترجمہ 'نبیوں سے میثاق' لینا درست نہیں ہو سکتا۔ مولانا اصلاحی لکھتے ہیں کہ آیت میں اضافت فاعل (انبیا: راقم) کی طرف نہیں، بلکہ مفعول (بنی اسرائیل: راقم) کی طرف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ انبیا سے میثاق لیا گیا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ انبیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا۔[19] ہمارے نزدیک ان مفسرین کی بات

۱۹۔ دیکھیے، سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۸۱ کے تحت تفسیری نوٹ، تفسیر ''تدبر قرآن'' از مولانا اصلاحی۔

درست ہے جو 'میثاق النبیین' سے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ الْمِیثَاقَ الَّذِیْ وَثَّقَہُ اللّٰہُ للأنبیاء علی أممھم (جب اللہ نے وہ میثاق لیا جو اس نے انبیا کی امتوں سے ان کے انبیا کے لیے لیا) لیتے ہیں۔[20]

خدا کے اس مطالبہ کا یہ نتیجہ تھا کہ ہر نبی نے اس میثاق کے تحت اپنی امت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا تھا۔ یہاں اس آیت کو لانے سے مقصود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کا وہی مطالبہ ہے۔ چونکہ انبیا کا بعثت محمدی کے وقت زندہ ہونا حد امکان میں سے نہیں تھا، اس لیے ان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر ان کی تصدیق کرنے کے مطالبے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ یہ مطالبہ، لا محالہ، انبیا کی اس امت، یعنی بنی اسرائیل سے تھا، جن سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر ان کی تصدیق کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ آیت کا سیاق و سباق بھی، جیسے کہ پیش تر عرض کیا گیا، اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس سلسلۂ کلام کے مخاطب سراسر بنی اسرائیل ہیں۔ اس لیے 'میثاق النبیین' کی درست تالیف وہی ہے جو ہم نے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی ہے۔

اس مفہوم کی تائید درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ "اللہ نے (اسی طرح) بنی اسرائیل

۲۰۔ ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازی الملقب بفخر الدین الرازی (المتوفی: ۶۰۶ھ)، مفاتیح الغیب، دار إحیاء التراث العربی — بیروت، الطبعۃ: الثالثۃ - ۱۴۲۰ھ، ۸/۲۷۴۔

اِسۡرَآءِیۡلَ ۚ وَبَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَیۡ عَشَرَ نَقِیۡبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیۡ مَعَكُمۡ ؕ لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیۡتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ وَعَزَّرۡتُمُوۡهُمۡ وَاَقۡرَضۡتُمُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنۡكُمۡ سَیِّاٰتِكُمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ.

(المائدہ۵:۱۲)

سے بھی عہد لیا تھا اور (اُس کی نگرانی کے لیے) ہم نے اُن میں سے بارہ نقیب اُن پر مقرر کیے تھے اور اللہ نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمھارے ساتھ رہوں گا۔ اگر تم نے نماز کا اہتمام کیا اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں کو مانا اور اُن کی مدد کی اور اللہ، (اپنے پروردگار) کو قرض دیتے رہے، اچھا قرض تو یقین رکھو کہ میں تمھاری لغزشیں تم سے دور کر دوں گا اور تمھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر اِس (عہد و میثاق) کے بعد بھی جو تم میں سے منکر ہوں تو (اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔''

اس آیت میں دیکھا جا سکتا ہے کہ عہد بھی وہی ہے، لب و لہجہ بھی وہی، تنبیہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بھی ویسی ہی ہے اور مخاطبت بھی اہل کتاب سے قطعی طور پر واضح ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ احزاب (۳۳) کی درج بالا آیت سے تسلسل نبوت کا استدلال درست نہیں، اس لیے کہ یہاں مذکور میثاق بنی اسرائیل سے لیا جانے والا میثاق نہیں اور سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۸۱ میں جس میثاق کا ذکر ہے، وہ بنی اسرائیل سے اس بات کا لیا گیا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت پر ان کی نبوت کا اقرار کریں گے۔

سورۂ حج (۲۲) کی آیت ۷۵

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

درج ذیل آیت سے بھی تسلسل نبوت کا استدلال کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ. (الحج ۲۲: ۷۵)

”اللہ فرشتوں میں سے بھی (اپنے) پیغام بر چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔“

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہاں فعل مضارع کا استعمال ہوا ہے، جو استمرار کے لیے بھی آتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں میں سے کار رسالت کے لیے انتخاب کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس آیت کو اس کے پورے سیاق و سباق میں دیکھتے ہیں:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

”اللہ فرشتوں میں سے بھی (اپنے)

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ. يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى
اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ. يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا
وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا
الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. ؕ
وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ
عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ
مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ
سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ
قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا
بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ
الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ.

پیغام بر چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ (اِس سے وہ خدائی میں شریک کیوں ہو جائیں گے)؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (خود) سمیع و بصیر ہے۔ اِن (فرشتوں) کے آگے اور پیچھے جو کچھ ہے، وہ اُس سے واقف ہے اور تمام معاملات اُسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ایمان والو، (اِن کا عہد تمام ہوا، اب تمھارا دور شروع ہو رہا ہے تو) رکوع و سجود کرو اور اپنے پروردگار کی بندگی کرو اور نیکی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور (مزید یہ کہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے) اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو، جیسا کہ جدوجہد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمھیں چن لیا ہے اور (جو) شریعت (تمھیں عطا فرمائی ہے، اُس) میں تم پر کوئی

www.javedahmadghamidi.com
al-mawrid.org

(الحج ۲۲: ۷۵-۷۸)

تنگی نہیں رکھی ہے۔ تمھارے باپ
— ابراہیم — کی ملت تمھارے
لیے پسند فرمائی ہے۔ اُسی نے تمھارا
نام مسلم رکھا تھا، اِس سے پہلے اور
اِس (قرآن) میں بھی (تمھارا نام
مسلم ہے)۔ اِس لیے (چن لیا ہے)
کہ رسول تم پر (اِس دین کی) گواہی
دے اور دنیا کے سب لوگوں پر تم
(اِس کی) گواہی دینے والے بنو۔ سو
نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے
رہو اور اللہ کو مضبوط پکڑو۔ وہی
تمھارا مولیٰ ہے۔ سو کیا ہی اچھا مولیٰ
ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فعل مضارع ہمیشہ استمرار کے لیے نہیں آتا، بیان واقعہ کے لیے بھی آتا ہے، یعنی ''ہوتا ہے''، لیکن ''ہوتا رہے گا'' یہ اس فعل کا لازمہ نہیں۔ یہاں اس بیان کے آنے کی دو وجوہات ہیں، جو نظم کلام سے متبادر ہیں۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ فرشتے، جن کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو، ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ انھیں خدا اپنے پیغامات کی ترسیل کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر انھیں چنتا ہے۔ اسی

طرح انسانوں میں سے بھی وہ افراد اور اقوام کو چنتا ہے۔ اس دوسری بات کا تعلق آگے کی آیات سے ہے، جن میں اس انتخاب کی نعمت کا ذکر کر کے بنی اسمٰعیل کو باور کرایا جا رہا ہے کہ اب انھیں اس منصب شہادت کے لیے چنا گیا ہے۔ یہ نعمت ایک بڑی ذمہ داری ہے، اس کے لیے خدا کی راہ میں ایسے جہد وجہد کرو، جیسا اس کا حق ہے۔

اقوام کے انتخاب کا سلسلہ قرآن مجید کے مطابق ذریت ابراہیم سے شروع ہوا۔ پہلے بنی اسرائیل کو اس کے لیے چنا گیا۔ ان کے بعد بنی اسمٰعیل کا انتخاب ہوا۔ اس آیت میں تسلسل نبوت کا اعلان نہیں ہے، بلکہ اس سنت الٰہی کا بیان ہے کہ خدا ایسا کرتا ہے اور پھر سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۴۰ میں اس نے خود بتا بھی دیا کہ وہ اب یہ سلسلہ بند کر رہا ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ آنے والے انبیا کی طرح کار رسالت کے لیے اقوام کے انتخاب کے بارے میں بھی پیشین گوئی اپنی کتاب میں بیان کرتا ہے۔ قرآن سے پیش تر اس نے قدیم صحائف میں پیشین گوئیوں کی صورت میں پہلے سے یہ بتا دیا تھا کہ وہ ذریت ابراہیم کو کار رسالت کے لیے چنے گا، پھر بتایا کہ بنی اسرائیل کو اس نے منتخب کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، پھر بتایا کہ بنی اسمٰعیل کو اس کام کے لیے چنے گا۔ محمد رسول اللہ کے بارے میں چند پیشین گوئیوں کا ذکر پیش تر ہو چکا، یہاں بائیبل کی کتاب استثنا سے بنی اسمٰعیل کے انتخاب کی پیشین گوئی

ملاحظہ ہو:

”میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں، (یعنی بنی اسمٰعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا، وہی وہ اُن سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سُنے تو میں اُن کا حساب اُس سے لوں گا۔“[21]

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب، قرآن مجید میں مزید ایسے کسی فرد یا قوم کا ذکر نہیں جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چنے جانے کا اعلان کیا گیا ہو، بلکہ وہاں نبوت کے سلسلے ہی کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

سورۂ نساء (۴) کی آیت ۶۹ سے استدلال

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا. (النساء ۴:۶۹)

”جو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کریں گے، وہی ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ کیا ہی اچھے ہیں یہ رفیق!“

اس آیت سے مرزا صاحب نے یہ استدلال کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ میں انعام یافتہ

۲۱۔ کتاب استثنا، ۱۸:۱۸-۱۹۔

لوگوں کے راستے پر چلنے کی دعامانگی گئی تھی۔ سورۂ نساء کی یہ آیت اس دعا کا جواب ہے۔ پھر یہ استدلال کرتے ہیں کہ ان انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ہونے کا مطلب ان لوگوں جیسا ہونا بھی ہے۔ چنانچہ بعد کے لوگ بھی جس طرح صدیق، شہید اور صالح ہو سکتے ہیں، انبیا بھی ہو سکتے ہیں۔ کتاب، ''جماعت احمدیہ کا تعارف'' کے مصنف لکھتے ہیں:

''اس آیت میں آیندہ نبی، صدیق، شہید اور صالح بننے کے لیے اللہ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت کی چاروں نعمتیں آپ کی اطاعت سے وابستہ ہیں اور نبی، صدیق، شہید اور صالح بننے کے لیے آپ کی اطاعت شرط ہے۔''[۲۲]

یہ استدلال نہایت کم زور ہے۔ ''مع''، یعنی ساتھ ہونے کا مطلب ان جیسا ہونا لازم نہیں، ایسا ہے تو خدا کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہو گا؟

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. ''اور اللہ تو ثابت قدم رہنے والوں
(البقرہ ۲:۲۴۹) کے ساتھ ہوتا ہے۔''

گویا صابرین خدا بن سکتے ہیں یا خدا ان صابر بندوں جیسا ہو جائے گا؟

چنانچہ یہ کوئی استدلال نہیں کہ اگر بعد از ختم نبوت صدیقیت، شہادت اور صالحیت کے درجات میں شامل ہونا ممکن ہے تو نبی کے درجے میں شامل ہونا بھی

۲۲۔ مبشر احمد خالد، جماعت احمدیہ کا تعارف، ضیاء الاسلام پریس ربوہ، ۲۰۱۰ء، ۱۰۰۔

ممکن ہے۔ جب سلسلۂ انبیا کا خاتمہ متعین ہو چکا، جیسا کہ نصوص سے قطعی طور پر ثابت ہے، تو نبی کا درجہ ملنے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ نبوت کے علاوہ دیگر درجات میں شمولیت سے نبوت کے درجے میں شمولیت کا استدلال کسی طرح درست نہیں ٹھیرتا۔

انبیا کی سرگذشتوں سے یہ بات طے ہے کہ نبوت کا منصب عطیہ خداوندی ہے۔ اسے کسب اور دعا سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس خیال کی کوئی بنیاد نصوص میں نہیں ہے۔ کسی نبی کو نبی بننے سے پہلے نبی بننے کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا، چہ جائیکہ یہ سمجھا جائے کہ عام لوگوں کو سورۂ فاتحہ کی اس دعا سے نبی بننے کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ عام لوگ بھی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، وہ دین میں اعلیٰ درجات حاصل کر لینے والوں کی معیت سے بہرہ مند ہوں گے۔ ادھر اعلیٰ درجات کی حد بندی کر کے یہ بتا دیا گیا ہے کہ نبوت کے درجے میں داخلہ بند ہے۔

کیا جھوٹا نبی طبعی موت نہیں مر سکتا؟

مرزا صاحب کی طرف سے قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ کوئی جھوٹا نبی طبعی موت نہیں مر سکتا، وہ خدا کی پکڑ میں آ جاتا ہے اور غیر طبعی موت مرتا ہے:

تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ. وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ. لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ. ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ.

(الحاقہ ۶۹: ۴۳-۴۶)

”یہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ (ہمارا) یہ (پیغمبر) اگر اپنی طرف سے کوئی بات ہم پر بنا لاتا۔ تو ہم اِس کو قوی ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر اِس کی رگ گردن کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اِس کام سے روک نہ سکتا۔“

احمدی حضرات کا استدلال یہ ہے کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ اگر کوئی نبوت کا مدعی دنیا میں خدا سے سزا پائے بغیر بہ عافیت رخصت ہوا ہے تو یہ خود اس کی صداقت پر دلیل ہے۔ اس کا بدیہی مطلب یہ ہے کہ جو نبی بھی غیر طبعی وفات پائے، وہ سچا نہیں ہو سکتا۔ آیت سے یہ استدلال کسی طرح درست نہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ آیت بالا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں آپ کی نبوت کی صداقت اور دین کی بہ حفاظت منتقلی کے اہتمام پر دلالت کر رہی ہے، نہ کہ مدعیان نبوت کے دعویٰ نبوت کی صداقت کو پرکھنے کا کوئی پیمانہ بیان کر رہی ہے۔

اس اہتمام کا ذکر ایک اور جگہ یوں ہوا ہے:

فَاِنَّهٗ یَسۡلُكُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا. لِّیَعۡلَمَ

”رہے وہ جن کو وہ رسول کی حیثیت سے منتخب کر لیتا ہے، وہ اپنی طرف

اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا.
(الجن ۷۲: ۲۷-۲۸)

سے کچھ نہیں کہہ سکتے، اُن کے آگے اور پیچھے تو وہ پہرا لگا دیتا ہے تاکہ معلوم رہے کہ اُنھوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں، اور وہ اُن کے ماحول کو گھیرے میں اور اُن کی ہر چیز کو گنتی میں رکھتا ہے۔"

یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے کسی سرکاری عہدے دار کے لیے اپنے اختیارات کے غلط استعمال کرنے پر باقاعدہ سزا بیان کی جاتی ہے، لیکن اگر کوئی عام آدمی اسی نوعیت کا کوئی جرم کرے تو قانون اس کے جرم کے لحاظ سے جو سزا دینا مناسب سمجھے گا، دے گا، لیکن سرکاری عہدے دار کی سزا کا الگ سے متعین ہونا طے ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاتا۔

اس آیت میں بتانا یہ مقصود ہے کہ دین کے ابلاغ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی، اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی، اسی لیے آپ خدا کی رحمت کے سائے میں اس کا پیغام بے کم و کاست پہنچا رہے ہیں۔ اس میں ایسا کوئی بیان نہیں کہ کوئی بھی شخص جو خدا پر جھوٹ باندھے گا، خدا اس کی گردن مار ڈالے گا۔ ایسا ہوتا تو طرز بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص کرنے کے بجائے عمومی ہوتا، یعنی جو بھی خدا پر ایسا جھوٹ باندھے گا، اس

کا انجام یہ ہو گا۔

اس کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجتہادی آرا کی خطا پر اللہ کی طرف سے فوراً درستی کر دی جاتی تھی تاکہ دین بغیر کسی ادنیٰ کجی کے امت کو پہنچے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مجتہدین کی خطاؤں پر خدا کی طرف سے اس طرح اصلاح کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ یہ اس لیے کہ مجتہدین کی خطاؤں کے باوجود اصل دین محفوظ ہے۔ اس کے اصولوں کی روشنی میں اجتہادی خطاؤں کو پرکھنا ممکن ہے۔ یہی اصول یہاں بھی کارفرما ہے کہ دین جب محفوظ طور پر منتقل ہو گیا، تو اب اللہ تعالیٰ کو دین کی حفاظت کے لیے مزید اس قسم کے غیر معمولی انتظامات کی ضرورت نہیں کہ کسی جھوٹے نبی کو لازماً دنیا ہی میں عبرت کا نمونہ بنا دیا جائے۔ بعد از نبوت جس طرح اجتہادی معاملات عقل و دانش کی آزمایش کا میدان ہیں، اسی طرح یہ بھی آزمایش کا محل ہے کہ لوگ دین کے درست اور محفوظ ذریعۂ علم کے ہوتے ہوئے اپنے عقل و فہم کی بنیاد پر حق و باطل کی پہچان کریں، اس معاملے میں خدا کی محسوس مداخلت اب کسی معاملے میں نہیں ہو گی۔ خدا نے ایسا کوئی اعلان یا وعدہ نہیں کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سچے نبیوں کا بھی غیر طبعی وفات پانا معلوم ہے۔ بنی اسرائیل کے ہاتھوں نبیوں کے قتل کا ذکر قرآن مجید اور بائیبل، دونوں میں بہ صراحت موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے

لیے نبیوں کا سلسلہ جاری کیا گیا تھا۔ ان انبیا میں سے ایک بڑی تعداد کو ان کے بادشاہوں نے قتل کیا تھا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ. (البقرہ۲:۸۷)

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اُس کے پیچھے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے تھے، اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو (اِن سب کے بعد) کھلی کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے اُس کی تائید کی (تو جانتے ہو کہ اُن کے ساتھ تمھارا رویہ کیا رہا)؟ پھر کیا یہی ہو گا کہ جب بھی (ہمارا) کوئی پیغمبر وہ باتیں لے کر تمھارے پاس آئے گا جو تمھاری خواہشوں کے خلاف ہوں گی، تو تم (اُس کے سامنے) تکبر ہی کرو گے؟ پھر ایک گروہ کو جھٹلا دو گے اور ایک گروہ کو قتل کرو گے۔“

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

”اور اُن پر ذلت اور محتاجی مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کا غضب کما

مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ. (البقرہ۲:۶۱)

لائے۔ یہ اِس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے تھے اور اُس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اِس وجہ سے ہوا کہ اُنھوں نے نافرمانی کی اور وہ (اللہ کی ٹھیرائی ہوئی) کسی حد پر نہ رہتے تھے۔''

بائیبل کے بیان کے مطابق، اسرائیل کے بادشاہ اخی اب کی ملکہ ایزبل نے انبیا کے قتل کی باقاعدہ مہم شروع کی تھی۔ اخی اب کے محل کا انچارج، عبدیاہ، حضرت الیاس (ایلیاہ) سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

''کیا میرے آقا تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ جب ایزبل (بادشاہ اخی اب کی بیوی) رب کے نبیوں کو قتل کر رہی تھی تو میں نے کیا کیا؟ میں دو غاروں میں پچاس پچاس نبیوں کو چھپا کر انھیں کھانے پینے کی چیزیں پہنچاتا رہا۔''[۲۳]

حضرت الیاس (ایلیاہ) جس وقت ملکہ ایزبل کی نبی کش مہم سے بچنے کے لیے ایک غار میں چھپے تھے تو انھوں نے خدا سے عرض کیا:

''اسرائیلیوں نے تیرے عہد کو ترک کر دیا ہے۔ انھوں نے تیری قربان گاہوں کو گرا کر تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کر دیا ہے۔ میں اکیلا ہی بچا ہوں اور وہ

۲۳۔ سلاطین ۱۸:۱۳۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مجھے بھی مار ڈالنے کے درپے ہیں۔"[24]

اور یاہ نبی کو خدا کی طرف سے تنبیہات سنانے پر یہوداہ کے بادشاہ یہویقیم نے قتل کیا۔[25]

انجیل میں بھی بنی اسرائیل کے ان جرائم کو دہرایا گیا ہے:

"اور تم کہتے ہو، 'اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں زندہ ہوتے تو نبیوں کے قتل کرنے میں شریک نہ ہوتے۔' لیکن یہ کہنے سے تم اپنے خلاف گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کی اولاد ہو۔"[26]

زکریا علیہ السلام کے قتل کا ذکر مسیح علیہ السلام کی زبانی یوں آیا ہے:

"... تم تمام راست بازوں کے قتل کے ذمہ دار ٹھہرو گے — راست باز ہابیل کے قتل سے لے کر زکریاہ بن برکیاہ کے قتل تک جسے تم نے بیت المقدس کے دروازے اور اس کے صحن میں موجود قربان گاہ کے درمیان مار ڈالا۔"[27]

جب کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہیرودیس بادشاہ نے قید خانے میں قتل کرایا۔[28]

۲۴۔ سلاطین ۱۹:۱۰۔

۲۵۔ یرمیاہ ۲۶:۲۰-۲۴۔

۲۶۔ متی ۲۳:۳۰-۳۱۔

۲۷۔ ایضاً ۳۵۔

۲۸۔ مرقس ۶:۱۶-۲۹۔

چنانچہ اس دعویٰ کی کوئی حقیقت نہیں کہ سچا نبی غیر طبعی وفات نہیں پاتا اور جھوٹا طبعی وفات نہیں پاتا۔ مرزا صاحب اپنے لیے تابع نبی کے جس منصب کے مدعی ہیں، بنی اسرائیل میں ان انبیا میں سے ایک کثیر تعداد کو قتل کیا گیا تھا۔

رسول کی کسی کوتاہی پر خدا کی طرف سے بھی سزاے موت کا اعلان کیا گیا ہے، جس کی ایک صورت کا بیان آیت بالا میں آیا۔ قرآن مجید کے مطابق یونس علیہ السلام کی ایک کوتاہی پر یہ سزا ابتدائی طور پر ان پر نافذ ہو گئی تھی۔ قرآن مجید کے مطابق اگر وہ توبہ و تسبیح نہ کرتے تو مچھلی کا پیٹ ان کا مدفن بن گیا تھا:

فَالۡتَقَمَہُ الۡحُوۡتُ وَہُوَ مُلِیۡمٌ. فَلَوۡلَاۤ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُسَبِّحِیۡنَ. لَلَبِثَ فِیۡ بَطۡنِہٖۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ. (الصافات ۳۷: ۱۴۲-۱۴۴)

”پھر اُس کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ سزاوار ملامت ہو چکا تھا۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو اُس دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں پڑا رہتا، جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔“

چنانچہ یہ کوئی استدلال، کوئی بنیاد ہی نہیں کہ سچا نبی غیر طبعی وفات نہیں پا سکتا۔

مرزا صاحب کے دور، انیسویں، بیسویں صدی کے ہندوستان میں دعویٰ نبوت کی وبا کافی عام ہو گئی تھی۔ تقریباً بیس سے زائد لوگوں نے اس دور میں دعاوی نبوت کیے، مگر ان میں سے ایک دو کے علاوہ جو طاعون کی وبا میں طاعون سے فوت ہوئے، اکثر طبعی موت سے ہم کنار ہوئے۔ ان میں سے غلام محمد لاہوری (احمدیہ بلڈ نگس)

نے ۱۹۳۱ء میں دعویٰ نبوت کیا اور ۱۹۵۲ء میں طبعی وفات پائی۔ مولوی عبد اللطیف نے ۱۹۲۱ء میں دعویٰ نبوت کیا اور ۱۹۴۳ء یا ۱۹۴۵ء میں طبعی وفات پائی۔[۲۹]

ان استدلالات کے علاوہ بھی مرزا صاحب کے استدلالات ہیں، لیکن وہ اس قدر دور از کار تاویلات اور نکتہ آفرینیاں ہیں کہ کسی معقول ذہن کو اپیل نہیں کرتے اور نہ وہ مخالفین کے لیے کوئی حجت قطع قرار پاتے ہیں۔ اس قسم کی نکتہ آفرینیاں چونکہ ہمارے مقالہ کے لیے مقرر کردہ واضح اور قطعی استدلالات کے معیار پر پوری نہیں اترتیں، اس لیے انھیں شامل بحث نہیں کیا گیا۔ جو مقامات استدلال کے پہلو سے قابل اعتنا تھے، انھیں ہی شامل مقالہ کیا گیا ہے۔ فہیم قارئین سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بنیادی استدلالات طے کر لینے کے بعد ضمنی استدلالات اور نکتہ آفرینی کی قسم کی باتوں کی حقیقت خود جان سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

وحی اور نبوت خدا کی عنایت تھی۔ خدا نے اس کا کوئی وعدہ یا اعلان نہیں کیا کہ وہ انھیں مسلسل بھیجتا رہے گا۔ کسی نبی کی آمد کی توقع اور امکان کا جواز خدا سے اس کی آمد کی خبر پا کر ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ چونکہ ایسی کوئی خبر قرآن مجید اور خبر متواتر جیسے قطعی ذرائع سے نہیں دی گئی، اس لیے کسی نبی کی آمد کی توقع رکھنا کوئی جواز ہی

۲۹۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ''حرف محرمانہ''، احتساب قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ نبوت، ملتان، ۳۲/ ۵۴-۵۵۔

نہیں رکھتا۔

قرآن مجید تسلسل نبوت کے ذکر سے یکسر خالی ہے۔ اس سے بدیہی طور پر یہ طے ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ یہ فہم اگر غلط ہوتا تو قرآن مجید اس غلط فہمی کے امکان کو مد نظر رکھتے ہوئے لازماً واضح اور قطعی طور پر اسے دور کرتا اور نئے انبیا کی آمد مع ان کے ناموں اور نشانیوں کے ذکر کرتا، جیسا کہ ذریت ابراہیم کی اسرائیلی شاخ میں یہ روایت موجود تھی۔

ابراہیم علیہ السلام سے چلی آتی انبیا کی روایت میں آنے والے انبیا کی پیشین گوئیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آکر ختم ہو جاتی ہیں، اس سے بھی یہ طے ہو جاتا ہے کہ مزید کوئی نبی نہیں جس کی خبر دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اس قضیے کو حتمی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۴۰ میں ختم نبوت کا ذکر اس پر مستزاد ہے جس نے تسلسل نبوت کے کسی بھی امکان پر مہر لگا دی ہے۔

مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی روایات سے اس نوعیت کے اہم مسئلے میں کوئی فیصلہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ سب سے پہلے قرآن مجید کا موضوع بننا چاہیے تھا جو کہ نہیں ہے۔ مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کا امکان قرآن مجید کی روشنی میں موجود نہیں۔ اس پر مثیل مسیح کا دعوی تو بالکل بے بنیاد ہے۔ جو کچھ روایات میں بیان ہوا ہے، وہ ہمارے نزدیک تمثیلی رنگ میں ہے۔ جس طرح مسیح علیہ السلام نے اپنے

دور کے فقیہوں اور فریسیوں کی حاشیہ آرائیوں سے دین کو نکال کر اس کی اصل صورت میں پیش کیا، اسی طرح کوئی شخصیت، فکر یا تحریک دین اسلام کی غلط اور ناقص تعبیرات کی ملمع کاریوں کے حجاب سے دین کی حقیقی روح کو نمایاں کرے گی۔ یہ کام چیدہ چیدہ علما کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس کے لیے کسی نئی وحی اور نبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

خواب، الہام اور مکاشفہ اس معاملے میں کوئی حجت اور حیثیت نہیں رکھتے۔

دین کی تکمیل، اس کے ماخذات: قرآن مجید اور سنت متواترہ کے محفوظ اور رشد و ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد انسانوں کی آزمایش کا آخری دور شروع کیا گیا ہے۔ یہ دلیل و استدلال کا دور ہے۔ حق و باطل کی کسوٹی قرآن مجید ہے۔ یہ خدا کی اسکیم ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ حق و باطل کی پہچان کے لیے اب کسی فوق الفطرت ذریعہ کی توقع اور دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

باب چہارم

چند عمومی تبصرے

مرزا صاحب کا اسلوب کلام

پیغمبرانہ اسالیب کلام، جو بائیبل، قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب قابل اعتماد اخبار آحاد کے ذرائع سے ہمارے علم میں ہیں، ان سے مرزا صاحب کا مناظرانہ اسلوب دعوت کہیں میل کھاتا نظر نہیں آتا۔ پیغمبر اپنے مکذبین کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ میں نہیں الجھتے تھے۔ وہ اپنا موقف بیان کرتے، دلائل دیتے اور احسن طریقے سے مجادلہ کرتے ہیں۔ وہ اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ کج بحثی شروع ہونے پر اعراض کر لیتے تھے۔ انبیا کا کلام نپا تلا، حشو و زوائد سے پاک اور استدلال دوٹوک ہوتا کہ ایک عام آدمی کے لیے بھی اس کا ادراک مشکل نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے مقام و ثقافت سے جڑے ہونے کے باوجود انبیا کا کلام ایسے آفاقی اسالیب اختیار کرتا ہے کہ ہر دور اور ہر سماج کا شخص ان سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ اپنے مخالفین کو وہ برسوں کے اتمام حجت کے بعد خدا کے حکم سے جب

لعنت ملامت کرتے ہیں تو اس میں بھی ایک متانت اور وقار ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں بھی وہ اپنے ماحول کی بے ہودہ گوئی اور دشنام طرازی پر ہرگز نہیں اترتے۔

اس تناظر میں مرزا صاحب کے کلام کی نمایاں خصوصیات ملاحظہ کیجیے:

مرزا صاحب بے انتہا بسیار نویس تھے، تحریر میں مضامین کی تکرار بہت زیادہ پائی جاتی ہے، استدلال اکثر مبہم اور پیچ در پیچ مقدمات پر قائم نکتہ آفرینیوں کا چیستاں ہوتا ہے۔ اسلوب مناظرانہ ہے۔ ان کا دور برصغیر میں مختلف اہلیان مذاہب کے درمیان بحث و مناظرہ کا دور تھا۔ ان کی تحریر اور انداز اس ماحول کے اثرات کا ایک نمونہ ہے۔ مناظرانہ ماحول میں پرورش پانے والی طبیعت کی جو خصوصیات ہو سکتی ہیں، وہ سب ان میں موجود ہیں: اپنے مخالفین پر لعن طعن کرنا، مناظرے کے چیلنج دینا، مقابلے میں فتح و شکست پر انعام رکھنا، مخالفین کو گالیاں اور بد دعائیں دینا، گالیاں بھی وہ جو پست عوامی اور بازاری قسم کی ہیں، اپنے ہر مخالف کے لیے اپنی زندگی میں اس کی موت اور انجام بد کی پیشین گوئیاں کرنا، اور یہ سب انبیا کی برسوں پر مشتمل صبر آزما دعوت اور اپنی قوم کو بار بار سمجھانے کی سنت کے برعکس اپنے دعویٰ نبوت کے کچھ ہی عرصے میں کر ڈالنا انھیں کسی طرح ایک پیغمبر باور ہونے نہیں دیتا۔ تنقیدی اور استدلالی اذہان اور سنجیدہ طبائع کے لیے یہ سب کسی عبرت انگیزی یا تاثیر کا کوئی سامان نہیں رکھتا۔

مرزا صاحب کے استدلالات اپنی بنیاد اور بُنت میں نہایت کم زور ہیں۔ دلائل

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کی جگہ بھی وہ دعاوی کرتے ہیں، ثبوت کی جگہ وہ امکان ثبوت پر زور صرف کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنی نبوت کے اثبات میں ان کا بنیادی مقدمہ ہی داخلی تناقض کا ایک نمونہ ہے، یعنی یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، مگر وہ شخص جو آپ کی سیرت میں فنا ہے، وہ نبی ہو سکتا ہے، یہ گویا کسی دوسرے نبی کی نہیں، خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی بعثت ہے۔ علم و استدلال کی دنیا میں یہ کوئی استدلال ہی نہیں جسے پیش کیا جا سکے۔ مرزا صاحب کا مسیح علیہ السلام اور دجال کی آمد کے بارے میں ہر طرح کی رطب و یابس روایات کو قبول کر لینااور ضعیف روایات میں بیان کی گئیں علامات کو دور از کار تاویلات سے خود پر اور دور حاضر پر منطبق کرنا محض نکتہ آفرینیاں ہیں، جن میں اکثر مضحکہ خیز ہیں۔ علم و استدلال کے میدان میں ان سے کوئی حجت قائم نہیں ہوتی۔

غیر مسلم مناظرین کے مقابل جہاں مرزا صاحب نسبتاً بہتر انداز میں استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہاں بھی ان کے استدلال کی کم زوری ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مثلاً یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اسلام کامل اور نقائص سے پاک دین ہے، وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے، بلکہ اس دعویٰ کے غلط نہ ہونے کے امکان پر بحث کرتے ہیں کہ خدا کے لیے ایسا کرنا ناممکن نہیں اور یہ کہ قرآن جیسی کوئی کتاب بنا کر دکھادیں وغیرہ، لیکن دین کامل اور نقائص سے پاک کیسے ہے، اس پر وہ کوئی بات نہیں کرتے۔[1] مناظروں میں چونکہ مقابلہ بازی کا ماحول ہوتا ہے، اس

۱۔ تفصیل کے لیے، مثلاً دیکھیے: مرزا صاحب کی کتاب ''کشتی نوح''۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لیے اس قسم کے ''دلائل'' سے مخالف پارٹی پر کوئی حجت قائم ہو یا نہ ہو، اپنے لوگوں سے داد، البتہ مل جاتی ہے۔ شروع کے دور میں عوامی سطح پر ان کی پذیرائی کی وجوہات اسی قسم کی تھیں۔

مرزا صاحب کے لٹریچر میں ان کے دعویٰ نبوت کے اثبات میں ایسا کوئی استدلال نہیں جو مسلمہ علمی و عقلی بنیادوں پر کسی منصف مزاج قاری کو مطمئن کر سکے۔ احمدیت کا شیوع اور اس کا اب تک کا قائم رہنا، افراد کی انفعالی طبائع کی زود اعتقادی اور احمدیت کی مظلومیت کے رد عمل کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

مرزا صاحب کی ''نبوت'' کی خدمات

مرزا صاحب کی ''نبوت'' بھی ایک خطا کار نبوت تھی۔ مرزا صاحب سے کبھی وحی کے معنی متعین کرنے میں کئی برس مسلسل غلطی ہوتی رہی تو کبھی وحی سے ملنے والی پیشین گوئیاں غلط ہوتی رہیں، یہاں تک کہ وہ قرآن کی آیات کے مدعا و مصداق کو سمجھنے میں بھی فاش غلطیوں کے مرتکب ہوئے۔ اپنے دعویٰ نبوت کے بنیادی استدلال (سورۂ جمعہ (۶۲) کی آیت ۲ اور ۳ کے حوالے سے) میں ان سے زبان کے قواعد کی رو سے فاش غلطیاں سرزد ہوئیں، جیسا کہ ہم نے پیش تر دکھایا۔ جب ''نبی'' دین کے معاملے میں بھی معصوم عن الخطا نہ ہو تو اس کی رہنمائی کو بے خطا مان کر اس پر ایسا اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے جو ایک نبی کے بے خطا علم ہی پر کیا جا سکتا ہے؟

مرزا صاحب جن اصلاحات کے لیے اٹھے تھے، یعنی مسیحیت کے فروغ کے

خلاف بند باندھنا اور مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح، وہ موجود دین کی تعلیمات کی اساس پر بہ خوبی کیے جا سکتے تھے، اور اہل علم و فکر کرتے رہے ہیں، اس کے لیے نئے نبی پر ایمان لانے کی کشمکش برپا کرنا محض عبث تھا۔ اس سے اصل کام بھی رہ گیا اور مرزا صاحب کی طرف سے ان کی نبوت کو منوانے کے مناظرے، تکفیر اور منکرین کی تباہی کی پیشین گوئیوں کا شور مچ گیا۔

مرزا صاحب کے دعویٰ کے مطابق کہ مہدی منتظر بھی وہی تھے، لیکن مہدی سے متعلق وہ کوئی ایک کام بھی پورا نہ کر سکے۔ مثلاً ایک روایت کے حوالے سے وہ خود لکھتے ہیں:

> ''مہدی کی تعریف میں لکھا ہے کہ وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم اور جور سے بھری ہوئی تھی اور مسیح آخر الزمان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دوبارہ ایمان اور امن کو دنیا میں قائم کر دے گا اور شرک کو محو کرے گا اور ملل باطلہ کو ہلاک کر دے گا۔''[۲، ۳]

مگر مرزا صاحب یہ سب کیے بنا ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

احمدیت کے پاس انسانیت کو دینے کے لیے کوئی منفرد اور ذاتی پیغام بھی نہیں ہے۔ عقائد و شریعت میں کسی اضافے کا امکان وہ خود رد کرتے ہیں۔ انیسویں صدی

۲۔ مرزا قادیانی، ''تحفہ گولڑیہ''، روحانی خزائن ۱۷/۱۱۵۔

۳۔ مہدی سے متعلق اس مفہوم کی تمام روایات ضعیف ہیں، مگر مرزا صاحب کے ہاں روایات کے ضعف کے بارے میں عدم اعتنا پایا جاتا ہے۔

میں مسیحیت کی طرف سے اسلام کو پیش کیا جانے والا چیلنج فرو کرنے میں بھی مرزا صاحب کو کوئی انفرادیت حاصل نہیں۔ یہ کام بغیر دعویٰ نبوت کے دیگر اہل علم نے بہ خوبی کیا اور کر بھی رہے ہیں۔

آج کا چیلنج الحاد جدیدہ کا چیلنج ہے۔ مسیحیت کے چیلنج مقابلے میں اس کا زور اور تاثیر کہیں زیادہ ہے۔ اس زیادہ بڑے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل علم و فکر دین و عقل کے میسر ذرائع علم کے تحت مصروف ہیں اور کسی نئی نبوت و الہام کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ رہا معاملہ اخلاقیات کے بحران میں اصلاح اخلاق کے کام کا تو اس میدان میں بھی سیرت کا اعلیٰ نمونہ مرزا صاحب کو بنانا ممکن نہیں، یہاں پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیا کی سِیَر ہی کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا بے جا نہیں کہ مرزا صاحب کی تعلیمات میں ایسا کچھ نہیں کہ جنھیں منہا کر دینے سے دین اور اس کی ہدایت کسی بھی لحاظ سے متاثر ہوتی ہوں۔ چنانچہ نبوت کا کشٹ عبث اٹھایا گیا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مرزا صاحب کے دعاوی کی پذیرائی کے اسباب

مشرقی دنیا کا مزاج ہمیشہ سے عجائب پسندی کا رہا ہے۔ ہندو دیومالا کی تخیل پسندی، سادھو، سَنتوں کے ناقابل یقین قصے اور اس کے مقابل میں ''اسلامی تصوف'' کی دنیا کی عجب بیانی سے مسلمانوں میں عجائب پسندی کا وہ خمیر تیار ہوا جو عجائب پر مشتمل دعاوی کو لوگوں کے لیے قابل قبول، بلکہ مقبول بنا دیتا ہے۔ یہ سلسلہ اب

بھی بڑے پیمانے پر جاری ہے۔

خدا سے مکالمے اور الہام کے دعاوی تصوف کی دنیا کی مضبوط روایت ہے جو مسلسل چلی آتی ہے۔ ان دعاوی میں نبوت کا نام کبھی کھل کر اور کبھی دبے لفظوں لیا گیا۔ عوام کے کان ایسے دعاویٰ سے مانوس رہے ہیں۔ قرآن مجید میں زبان و بیان کے مسلمہ اصولوں کی کھلی خلاف ورزی کر کے دور از کار تاویلات سے عجیب و غریب نکتہ آفرینیاں پیدا کرنے کا رجحان تفاسیری روایات، تفسیر اشاری اور باطنی میں ایک مستقل مکتب فکر کے طور پر موجود ہے۔

اس پس منظر کے ساتھ مرزا صاحب کو جو زمانہ ملا، وہ خاص طور پر مسلمانان برصغیر کے زوال اور نکبت کا دور تھا۔ سیاسی ابتری، معاشی ناآسودگی اور غیر یقینیت کا دور دورہ تھا۔ عوام کی بڑی تعداد کسی ملہم اور موید من اللہ کی آمد کی گویا منتظر تھی۔ کہیں کہیں یہ خیال بھی ظاہر کیا جاتا تھا کہ تیرھویں صدی کے اختتام پر مسیح موعود کا ظہور ضروری ہے۔ مجلسوں میں زمانہ آخر کے فتنوں اور واقعات کا چرچا تھا۔ شاہ نعمت اللہ ولی کشمیری کے طرز پر پیشین گوئیوں اور الہامات سے سہارا حاصل اور غم غلط کیا جاتا تھا۔[۴]

ان سب عوامل نے عوام میں مرزا صاحب کے دعاوی کی قبولیت اور مقبولیت کے لیے پہلے سے راہ ہموار کر رکھی تھی۔ تس پر مرزا صاحب کی پہلی نمود اسلام

۴۔ ابوالحسن علی ندوی، قادیانیت مطالعہ و جائزہ ۱۲۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے مناظر اور محافظ کے روپ میں ہوئی جس نے اپنے وقت کے عوامی مناظروں میں عوامی طرز پر اپنے پر اعتماد انداز، نکتہ آفرینی اور منطقیانہ و مناظرانہ دلائل سے مخالف مناظرین کا خوب مقابلہ کیا۔ ایسی باتوں کا علمی پایہ بہت کم زور ہوتا ہے، لیکن عوامی پذیرائی خوب ملتی ہے۔ چنانچہ عوام اور عوامی خطبا میں مرزا صاحب کی بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔

مرزا صاحب کی شدید مخالفت کے اسباب

مرزا صاحب اگر فقط الہام اور مکالمۂ خداوندی کے دعاوی تک محدود رہتے تو اس قسم کے دعاوی کی روایت سے مسلم سماج کے عوامی اور علمی حلقوں میں پائی جانے والی مانوسیت کے سبب کوئی خاص رد عمل متوقع نہیں تھا۔ مرزا صاحب کو ان کے ایسے دعاوی کے باوجود شروع میں ان کی مناظرانہ صلاحیتوں کی وجہ سے مسلم حلقوں میں پذیرائی ملی بھی تھی، لیکن جب ایک قدم آگے بڑھ کر انھوں نے مسلمانوں سے اپنی نبوت کا اقرار کرنے پر زور دیا اور ان کے انکار پر ان کی تکفیر کی، ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا[۵]، ان سے مناکحت کا رشتہ اہل کتاب کی طرح صرف ان کی خواتین تک محدود کرنے کا کہا، اپنی جماعت کو عام مسلمانوں کے مقابلے میں ایک الگ امت قرار دیا، ایسے ہی جیسے امت محمدی، مسیحی اور یہودی

۵۔ ایضاً ۶۴۔

امت سے الگ امت قرار پائی تھی، تو عام مسلمانوں کے تمام حلقوں کی طرف سے ان کی شدید مخالفت کی گئی اور متفقہ طور پر مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کی تکفیر کر دی گئی۔

دوسری وجہ مرزا صاحب کا مناظرانہ انداز اور اپنے مخالفین کے لیے سب و شتم اور چیلنج کرنے کا طرز عمل تھا، جس کی وجہ سے ان کے خلاف رد عمل میں شدت در آئی۔

مرزا صاحب کو نبی مان لینے کا یہ بدیہی تقاضا تھا کہ احمدی کمیونٹی مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کرنے والے عام مسلمانوں کو کافر سمجھیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنی الگ بستیاں بسائیں، جس سے ایک ہی سماج میں رہتے ہوئے ان کے اور عام مسلمانوں کے درمیان اجنبیت کی دیواریں بڑھنے لگیں۔

مذہب کے معاملے میں ہمارے سماج میں پہلے سے پائی جانے والی عمومی جذباتیت کے لیے احمدیت کی مخالفت اور مخاصمت ایک مستقل ہدف قرار پائی۔ اس مہم میں سیاسی اور مذہبی زعما کی شمولیت نے اسے مزید انگیخت کر دیا۔ معاملہ آگے بڑھ کر احمدی کمیونٹی کے خلاف قانون سازی، جبر اور زیادتی اور سماجی مقاطعہ تک پہنچ گیا۔

اہل اسلام سے گزارش

عام مسلمانوں کی طرف سے خاص طور پر احمدی حضرات کے ساتھ جو شدید

مخاصمانہ، بلکہ جارحانہ رویہ اختیار کیا گیا ہے، اس سے احمدیت کا مقدمہ، جو استدلال کے میدان میں نہایت کم زور ہے، تاثر کے میدان ہمدردی حاصل کر رہا ہے۔ احمدیت کے خلاف اس رویے کا اسلام کے بتائے ہوئے ضابطۂ اخلاق اور دعوت دین کے مطلوب رویے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ احمدی کمیونٹی عام مسلمانوں کو مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں پر ظلم کرنے والے یہودیوں اور کفار مکہ کے روپ میں اور خود کو ان انبیا کے مظلوم پیروکاروں کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اس سے نفسیاتی طور پر ان کے ایمان وایقان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسی نفسیاتی کیفیت میں دلائل بھی کام نہیں کرتے۔ یہ وہ نامسعود خدمت ہے جو مسلمانوں کی طرف سے دین کے دفاع یا غیرت دینی کے نام پر سرزد ہو رہی ہے۔

قرآن مجید میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دین وعقائد کے معاملے میں اختلاف رکھنے والا آپ کا دشمن نہیں، مدعو ہے۔ اسے حکمت، اچھی نصیحت اور شایستہ مباحثے کے طریقوں سے اپنی دعوت پیش کرنی چاہیے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ.
(النحل ۱۶:۱۲۵)

’’اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمھارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا

ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

کسی کو زبردستی مسلمان بنانا یا کوئی نقطۂ نظر قبول نہ کرنے والوں پر ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دینا، یہ اسلام کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ یہ حرکتیں تو ہمیشہ سے باطل کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔ سماجی مقاطعہ کفار مکہ کا حربہ تھا۔ اپنی ملت میں بالجبر واپسی کا مطالبہ قوم شعیب کے جابر سرداروں کے طرز عمل کے طور پر بیان ہوا ہے:

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَنُخۡرِجَنَّكَ يٰشُعَيۡبُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَكَ مِنۡ قَرۡيَتِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوۡ كُنَّا كٰرِهِيۡنَ.

(الاعراف ۷:۸۸)

"اس کی قوم کے سرداروں نے، جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے، اس سے کہا کہ "اے شعیب، ہم تجھے اور اُن لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے نکال دیں گے، ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہو گا"، شعیب نے جواب دیا: "کیا زبردستی ہمیں پھیرا جائے گا، خواہ ہم راضی نہ ہوں؟""

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دعوت کے جواب میں گھیراؤ، جلاؤ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالف ان پروہتوں کا ردعمل تھا جو دلیل کے میدان میں ان سے شکست کھا گئے تھے:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ. (الانبیاء ۲۱:۶۸)

”انھوں نے کہا: جلا ڈالو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمھیں کچھ کرنا ہے۔“

عقیدے کی تبدیلی پر سرکاری پابندی لگانا فرعون کا اقدام تھا۔ اسے اصرار تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اپنا عقیدہ بھی تبدیل نہیں کر سکتا:

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ. (طٰہٰ ۲۰:۷۱)

”فرعون نے (موسیٰ پر ایمان لے آنے والے جادوگروں سے) کہا: تم ایمان لے آئے، قبل اس کے کہ میں تمھیں اس کی اجازت دیتا؟“

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مذہبی جبر کو قرآن مجید میں فتنہ کہا گیا ہے۔ اسے قتل جیسے گھناؤنے جرم سے بھی بڑا فساد قرار دیا گیا ہے:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (البقرہ ۲:۱۹۱)

”فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔“

المیہ یہ ہے کہ مذہبی جبر کا یہی فتنہ دین اسلام کے نام پر خود مسلم سماج نے برپا کر رکھا ہے۔ اسلام دین حق ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو یہ بھی حق ہے کہ دین کی بنیاد پر اختلاف کرنے والوں سے جبر کا معاملہ کریں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا ایک بنیادی فریضہ سماج سے مذہبی جبر کا خاتمہ بتایا ہے۔ عقیدے کے انتخاب کی آزادی خدا کو اس قدر مطلوب ہے کہ مسلمانوں

کے نظم اجتماعی کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کے خاتمے کے لیے جنگ کرنی پڑے تو کریں اور اسے اس وقت تک جاری رکھیں جب تک یہ ختم نہیں ہو جاتا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ. (الانفال ۸:۳۹)

"(ایمان والو)، تم اِن سے برابر جنگ کیے جاؤ، یہاں تک کہ فتنہ، (یعنی دین میں جبر) باقی نہ رہے۔"

عقیدے کی آزادی خدا کی آزمایش کی اسکیم کی ایک بنیادی قدر ہے، مذہبی جبر خدا کی اس اسکیم کی مخالفت ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا. (الدھر ۷۶:۳)

"ہم نے اُسے خیر و شر کی راہ سجھا دی۔ اب وہ چاہے شکر کرے یا کفر کرے۔"

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

دین اور عقائد کے رد و قبول کے معاملے میں دین کا اصل الاصول جبر کی نفی ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ.
(البقرہ ۲:۲۵۶)

"(یہ جو رویہ چاہیں، اختیار کریں)، دین کے معاملے میں (اللہ کی طرف سے) کوئی جبر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت (اِس قرآن کے بعد اب) گم راہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے۔"

اگر یہ خدشہ ہے کہ احمدیت کو سماج سے کاٹ کر نہ پھینکا گیا تو عوام ان کے عقائد سے متاثر ہوتے جائیں گے تو اس کا علاج اپنے گھر کے دروازے بند کر لینا نہیں، یہ تو بے اعتمادی کی دفاعی نفسیات کا خاصہ ہے۔ دین کے مضبوط دلائل کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس مسئلے کا حل لوگوں کو دین کی تعلیم سے روشناس کرانا ہے۔ اس مثبت کام کے بجائے نفرت اور پراپیگنڈے کا سہارا لینا اپنے لیے بلاوجہ کم زور پوزیشن اختیار کر لینا ہے۔

احمدیت کے ساتھ مکالمہ کی فضا اگر قائم رہتی تو گمان غالب یہ ہے کہ قرآن مجید کے محکم دلائل کی مدد سے ختم نبوت کے باب میں ان کے استدلالات کی کم زوری ان پر عیاں ہو جاتی اور کم از کم ان کی آیندہ نسلوں کی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں۔

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین کے معاملے میں ہمارا کام فقط دلائل سے اپنی بات پیش کرنا ہے۔ کفر و ایمان کے فیصلے کرنا اور اس پر سزا دینا خدا کا کام ہے، جس میں اس نے کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ. (السجدہ ۳۲:۲۵)

”اِس میں کچھ شک نہیں کہ (اب) تیرا پروردگار ہی قیامت کے دن اُن کے درمیان اُن چیزوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔“

آخر میں دعا ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

(آل عمران ۳: ۸-۹)

”پروردگار، تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اِس کے بعد اب تو ہمارے دل نہ پھیر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ لاریب، تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔ پروردگار، تو یقیناً سب لوگوں کو ایک ایسے دن کی پیشی کے لیے جمع کر کے رہے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"All rights of this book are reserved for the publisher and the author. This copy is for reading purpose only. This copy cannot be uploaded on any website except those of the publisher and the author."

جناب ڈاکٹر عرفان شہزاد کا تعلق راولپنڈی سے ہے۔

آپ نے علومِ اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد سے حاصل کی۔

مکتبِ فراہی کی تفہیم و تنقیح آپ کی دل چسپی کا خاص محور ہے۔ المورد لاہور، پاکستان کی طرف سے آپ کی کتاب ''قانونِ اتمامِ حجت اور اُس کے اطلاقات'' شائع ہو چکی ہے۔ المورد کے پلیٹ فارم سے مختلف علمی موضوعات پر آپ کے لیکچرز کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ آپ مختلف جامعات میں تدریس سے بھی وابستہ ہیں۔

اہم دینی و سماجی موضوعات پر آپ کے مقالہ جات اور مضامین ملک کے مؤقر جرائد اور سوشل میڈیا کے علاوہ ''irfanshehzad.com'' ویب سائیٹ پر بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

المورد
ادارہ علم و تحقیق